گرباج کی پوری توجہ میری طرف تھی۔ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس کی آنکھوں ہی میں نہیں بلکہ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہوئی نفرت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں اور میرے ساتھی نہتا ہو چکے تھے۔

''جینٹلمن اگر تم لیٹ ہو جاتے تو شاید ہم کبھی نہ ملتے۔ خیر، یہ اچھا ہوا یا برا، تم لوگوں نے میری مہمان نوازی کی اب ہم تمہاری مہمان نوازی کرتے ہیں، چلو۔'' اس نے کاریڈور میں اس طرف جانے کا اشارہ کیا، جدھر سے دو بندے تیزی سے آئے تھے۔ میں ایک لفظ بولے بغیر ان کے ساتھ چل دیا۔ مجھے یہ پوری طرح احساس تھا کہ جب انہوں نے ہماری تلاشی لی تھی، اس وقت ان کی توجہ اس آلے کی طرف نہیں گئی، جس سے ہم سبھی ایک دوسرے کی بات سن سکتے تھے۔ وہ گردن کے پیچھے تھا اور اس کا مہین سا مائیک ہمارے کانوں میں لگا ہوا تھا۔ یہی احساس مجھے اطمینان دے رہا تھا کہ یہاں ہونے والی باتیں بانیتا کور کے ساتھ ان ساتھیوں نے بھی سن لیں ہوں گی، جو سیڑھیوں کے ذریعے اوپر آ رہے تھے۔ بانیتا کور ان کے ساتھ تھی۔ اس سمیت سبھی محتاط ہو گئے ہوں گے یا نہیں، میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ وہ ہمیں لیتے ہوئے بالکل سامنے والے دروازے پر آن رُکے۔ انہوں نے دروازے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اور دروازہ کھل گیا۔ اندر ایک لمبے قد والی لڑکی کھڑی تھی، جس نے سیاہ سوٹ پہنا ہوا تھا۔ سفید شرٹ پر ہلکے نیلے رنگ کی ٹائی تھی اور اس کے بال بندھے ہوئے تھے۔ پہلی نظر میں وہ بزنس وویمن دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن اس کی نیلی آنکھوں میں سے سفاکیت جھلک رہی تھی۔ اس نے ہاتھ سے میرے ساتھیوں کو وہیں روکنے اور مجھے اندر لے جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ پشت پر دروازہ بند ہو گیا اور اس لڑکی نے پسٹل نکال کر مجھ پر تان لیا۔

''چلو، آگے بڑھو۔!'' اس نے انگریزی میں تحکمانہ انداز میں حقارت سے کہا۔

وہ ڈرائنگ روم تھا، جس کے آگے ایک سٹڈی روم تھا۔ وہ مجھے وہاں لے گئی، سامنے ایک ادھیڑ عمر شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی نیلی آنکھیں مجھ پر مرکوز تھیں۔ جھریوں بھرے چہرے پر کسی جذبے کا کوئی احساس تک نہیں تھا۔ اس نے جو لباس پہنا ہوا تھا، اس سے یہ اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں تھا کہ وہ یہودی تھا۔ اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا، پھر سامنے پڑی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا

''بہادر ہو لیکن اپنی مسلمان قوم کی طرح بے وقوف بھی ہو۔ اتنی بڑی آفر تم ٹھکرا چکے ہو۔ ہم چاہتے......''

''تم یہودی ہو، تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے، اس لئے تمہیں گالی دینے کی ضرورت نہیں۔ تم ابلیس کے سچے پیروکار ہو، اس آدمی کے گھٹیا ہونے میں کوئی شک نہیں جو انسانیت کے مقام سے گر کر ابلیسیت کی دلدل میں گر جائے۔'' میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا، جو میری بات سن کر بھی سپاٹ رہا۔ چند لمحے بعد بولا

''تم لوگ وہی کرتے ہو جو ہم چاہتے ہیں۔ اسی برصغیر پر کتنے انگریز تھے؟ تمہارے ہی بھائی بند ایک دوسرے کو مارتے رہے اور آج بھی وہی کچھ ہو رہا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ بولو کامیاب کون ہیں، ہم یا تمہاری احمق قوم، گھٹیا ہم ہوئے یا تم؟''

''یہ تو اپنی اپنی سوچ ہے نا کہ کون کس چیز کو کامیابی سمجھتا ہے۔ تم ابلیسیت کو پھیلانا چاہتے ہو اور ہم انسانیت کو اس کا اعلیٰ مقام دینا چاہتے

ہیں۔صرف مجھے،تم اپنی بات منوا سکتے ؟نہیں نا، یہ میری کامیابی ہے'' میں نے انتہائی طنز سے کہا،اس پر وہ ذرا سا مسکرا دیا۔ پھر حقارت بھرے لہجے میں بولا۔

''تم.....اور تمہاری کامیابی..... ہماری گریٹ گیم میں تیرے جیسے تنکے ایک ذرا سی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہماری بچھائی ہوئی بساط پر تیرے جیسے مہرے نہیں ہوتے، ہاں مہروں کو بساط تک لانے میں ایندھن کی طرح کام آتے ہیں۔ تیری کامیابی اس لڑکی کے پسٹل کی چند روپے والی گولی میں تحلیل ہو جائے گی،وہ بھی چند لمحوں میں۔''

''تو دیر کس بات کی ہے۔'' میں نے کہا تو اسی لمحے پسٹل کی نال میرے سر پر رکھ دی گئی۔

''بس دو لمحے.....لیکن ہم یہ بلٹ بھی ضائع نہیں کریں گے۔ ابھی فورسز کے لوگ یہاں آ جائیں گے اور وہی سب کچھ تم لوگوں کے ساتھ کریں گے۔ یہ ہے کامیابی۔تم بھی اپنے وطن سے دور ہو اور میں بھی۔تم ایک دہشت گرد بن کر یہاں کی جیلوں میں اذیت ناک زندگی گذارو گے اور میں، میرے ایک اشارے پر ممبئی کرائم برانچ، خفیہ ایجنسیاں، آئی بی،را ان سب کے لوگ دوڑے چلے آئے گے۔ بھارتی قانون'' ناڈا'' تو کیا،تم مہاراشٹر کا قانون'' مکوکا'' ہی برداشت نہیں کر پاؤ گے۔''اس نے طنزیہ لہجے، میں کہا

''درمت کرو، میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ اس کے بعد تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔'' میں نے کہا

''میرے ساتھ کیا ہوگا، میں یہ بھی جانتا ہوں۔ بھارتی حکومت پر میرا احسان ہوگا۔ایک پاکستانی دہشت گرد اور اس کا نیٹ ورک ان کے حوالے کر رہا ہوں۔ رامیش پانڈے میرا احسان مند ہوگا۔ دنیا کو یہ خبر ہی نہیں ہوگی کہ تم میرے ہی لائے ہوئے کاٹھ کے وہ اُلو ہو، جو ہمارے اس زمین ہاؤس سے نہیں بلکہ کسی سڑک سے پکڑے گئے ہو۔''اس نے مسکراتے ہوئے کہا

''لیکن کچھ لوگوں کی آنکھیں بند نہیں ہیں۔ میری کوئی حیثیت نہیں،لیکن میری جگہ کوئی دوسرا آ جائے گا اور.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ بولا

''کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔لیکن کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ دیکھو احمق۔ ! یہاں بھارت میں اپنا اثر رسوخ بنانے کے لئے ہم نے کتنی محنت کی۔ سوڈے کی بوتلوں سے کام شروع کر کے آج انہیں اسلحہ فروخت کر رہے ہیں، جو آخر کار تیرے ملک پر چلایا جانا ہے۔ اتنا سب کچھ چند لوگوں کے ذریعے نہیں ہوتا، اوپر سے لیکر نیچے تک گرفت کرنا پڑتی ہے، اور وہ ہم نے کر لی۔ بھارت اپنے یوم آزادی پر ہمارے اسلحے کی نمائش کر رہا ہے۔ تمہیں تمہارے ملک سے اٹھایا اور جزیرے تک لے کر گئے، کیا خیال ہے، وہ راڈار میں نہیں آیا؟ یہ سمجھ لو، ہماری طرف سے آنکھیں بند ہیں۔''

''تم باتیں ہی کرو گے یا مجھے گولی بھی مارو گے۔ اتنی تفصیل بتا کر مجھے مرعوب کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہو۔'' میں نے حقارت سے کہا

''نہیں، تمہیں اب بھی ایک چانس دے رہا ہوں۔ سنو۔ ایسے ہی برصغیر میں راجے مہاراجے، نواب، جاگیردار اور وڈیرے ہیں نا، ان میں سے ایک تمہیں بھی بنا دوں گا، یہ میرا ایجنٹ ڈیوڈ ربینز کا وعدہ ہے۔ ہمارے لئے کام کرو۔ قوت ہم دیں گے، عیش تم کرنا۔'' اس نے چمکتی آنکھوں سے کہا۔

''تم تو بہت بڑے احمق ہو، مجھے زندہ.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ میری سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا

''اپنے سوا، اپنے ہر ساتھی کو خفیہ ایجنسیوں کے حوالے کرنا ہوگا، وہ بھی جنہوں نے رامیش پانڈے پر حملہ کیا ہے۔ صرف تم رہو گے، یہی

ایک راستہ ہوگا تم پر اعتماد کرنے کا، بولو۔‘‘ اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو میں ایک لمحے کے لئے سوچنے لگا۔ اس دوران میں نے جائزہ لے لیا کہ اس لڑکی کے سوا کوئی اور اس کمرے میں تو نہیں تھا لیکن اس اپارٹمنٹ اور اس بلڈنگ میں تو ہو سکتے تھے۔ پسٹل میری سر پر لگا ہوا تھا۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

’’پہلے یہ پسٹل ہٹاؤ۔‘‘ میرے کہنے پر اس نے اشارہ کیا اور لڑکی نے پسٹل ہٹا لیا۔ تب میں نے کہا،’’ دیکھو، یہ ایک بہت بڑا فیصلہ ہے۔ اپنی منحوس شکل ہٹا کر اس حسین لڑکی کو میرے سامنے بٹھاؤ تا کہ میں کچھ اچھا سوچ سکوں۔‘‘ یہ کہتے ہوئے میں نے ہاتھ بڑھا کر اس لڑکی کے گالوں کو چھوا، جس پر اس لڑکی نے برا مناتے ہوئے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔

’’تم کتنا وقت لو گے سوچنے کے لئے؟‘‘ ڈیوڈ ربینز نے پوچھا تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا

’’بس اس حسینہ کے انتظار میں ہوں۔‘‘

میرے اتنا کہتے ہی باہر سے میرے کانوں میں منمناہٹ ہوئی کہ جانی بھائی اپنے لوگوں کے ساتھ پہنچ چکا ہے اور بانیتا کور تیار ہے۔ سیڑھیوں والے لوگ محفوظ ہیں۔ کہو تو دھاوا بولیں۔

’’ایسی بکواس مت کرو۔ تم نہیں جانتے کہ یہ کون ہے۔‘‘ اس نے سختی سے کہا

’’کوئی بھی ہو۔ میرے لئے تو ایک خوبصورت حسینہ ہے۔ بس ذرا سا وقت دو، اس سٹڈی روم سے بیڈ روم تک کا سفر طے کرنا ہے۔‘‘ یہ کہتے ہوئے میں نے اشارہ دے دیا، اس کے ساتھ ہی میں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر پھر سے اس کے گال چھوئے تو اس نے پھر میرا ہاتھ جھٹکا۔ لیکن اس بار میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بجائے اسے میز پر پھینکنے کے، اس کا سہارا لے کر میں اٹھا ایک ٹانگ سے کرسی کو دھکا دیا اور دوسری ٹانگ کا پیر سیدھا ڈیوڈ ربینز کے منہ پر مارا۔ ایک دم سے ہلچل مچ گئی۔ میری ساری توجہ پسٹل کے لئے تھی۔ تب تک وہ لڑکی میری بغل میں گھونسہ مار چکی تھی۔ میں نے پسٹل پر ہاتھ مارا تو وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ تبھی میں نے اس کی ناک پر پنچ مارا، وہ لڑکھڑائی۔ میں نے اس کے پیٹ میں گھٹنا مارا۔ ڈیوڈ ربینز پسٹل کی جانب بڑھا۔ میں اس سے پہلے ہی اس پر جا پڑا۔ تبھی اس لڑکی نے میری پسلیوں میں زوردار ٹھوکر ماری۔ ایک لمحے کے لئے میرا بدن سُن ہو گیا۔ میں پلٹا تو ایک اور ٹھوکر میرے سینے پر پڑی۔ میرے ایک ہاتھ میں پسٹل تھا اور دوسرے ہاتھ سے میں نے اس کی ٹانگ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، فطری طور پر اس نے اپنی ٹانگ کھینچی، تب میں نے زور سے دھکا دیا تو وہ کولہوں کے بل جا گری۔ میں نے تیزی سے اٹھنا چاہا تو ڈیوڈ ربینز نے مجھے گردن سے پکڑ لیا۔ تب تک وہ لڑکی کسی اسپرنگ کی مانند اٹھ کھڑی ہوئی اور کسی ماہر ریسلر کی طرح اپنی کہنی میری سینے پر مارنے کے لئے مجھ پر حملہ آور ہوئی۔۔ میں ہٹ گیا تو اس کی کہنی فرش پر لگی۔ ایک لمحہ کے لئے وہ وہیں ساکت ہو گئی۔ مجھے بس اتنا ہی سا وقت چاہئے تھا۔ میں نے پسٹل کی نال اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھی اور ٹرائیگر دبا دیا۔ ایک دھماکہ ہوا اور اس کے سر سے گولی نکل گئی۔ اسی لمحے ڈیوڈ ربینز کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ میں نے اسے گردن سے پکڑ کر اٹھایا اور اسی کرسی لے جا کر بیٹھا دیا جہاں بیٹھا وہ حقارت بھرے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

اس میں ڈیڑھ منٹ سے بھی کم وقت لگا تھا کہ تبھی دروازہ کھلا اور دو کمانڈو ٹائپ نوجوان تیزی سے اندر آ گئے۔ میں نے پسٹل ڈیوڈ

ریبنز کے سر پر رکھ دیا تو وہ جہاں تھے، وہیں رک گئے۔ انہوں نے لمحوں میں صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ اس کمرے میں کیمرے لگے ہوئے ہیں اور ہمیں کسی جگہ پر دیکھا جا رہا تھا۔ میں نے باہر لوگوں کا سنانے کے لئے کہا

''یہ دونوں نوجوان جو یہاں تجھے بچانے آ گئے ہیں نہیں بچا پائیں گے۔ اس کمرے میں لگے کیمرے بھی نہیں۔ مجھے پتہ ہے کہ یہیں کسی کمرے میں مجھے دیکھا جا رہا ہوگا۔ لیکن اب تجھے مرنا ہے۔''

''تم مجھے مار بھی دو گے تو زندہ بچ کر نہیں جا سکتے ہو۔'' ڈیوڈ ریبنز نے مرجھائے ہوئے لہجے میں کہا

''مجھے یہاں سے زندہ جانا ہی نہیں ہے۔ تم نے مجھ پر ہاتھ ڈال کر اپنی موت کو دعوت دے دی ہے۔ اب میرے ساتھ باہر چلو گے یا یہیں مرنا پسند کرو گے؟'' میں نے سرد سے پوچھا

''دیکھو۔ اب بھی سوچ لو، دولت کا ایک ڈھیر تمہارا منتظر ہے۔ طاقت ایسی کہ تم.....'' وہ بولا تو میں نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا

''تم ابلیسیت کے لئے یہاں ہو اور میں انسانیت کے لئے، تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم نے یہاں کے لوگوں بارے غلط اندازہ لگا لیا ہے۔ اب رامیش پانڈے سمیت ہر اس بندے کو پیغام مل جائے گا۔ چلو''

''میں مر جاؤں گا، تو کیا ہوا، ہماری جڑیں اتنی مضبوط ہو گئی ہیں کہ تم اکیلے کچھ نہیں کر سکتے۔ میں نے جو نیٹ ورک یہاں بنا دیا ہے، تمہیں اس کی ہوا بھی لگ سکتی۔'' اس نے غصے میں کہا

''اور میں نے فیصلہ کر لیا، تجھے اور تیرے نیٹ ورک کو میں نے ہی تباہ کرنا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا

''ہونہہ.....'' اس نے حقارت سے ہنکارا بھرا، پھر نفرت سے بولا ''تم، ایک گھٹیا چیونٹی سے بھی زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، یہ خواب تو ہو سکتا ہے لیکن تیرے جیسے کمزور لوگ یہ خواب دیکھنے کی اوقات بھی نہیں رکھتے۔ میں چاہے مر جاؤں، لیکن شام ہونے سے پہلے تیرا خون کسی سڑک پر بہہ جائے گا۔ کیا تجھے یاد نہیں تمہیں تنکے کی طرح اٹھا لیا گیا تھا۔ ایک تنکا طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اب چاہے مجھے مار دو۔''

''نیچے جا کر سڑک پر ماروں گا، اٹھو۔'' میں نے اس کا کالر پکڑ کر اٹھانا چاہا تو وہ کمانڈو نوجوان حرکت میں آ گئے۔ انہوں نے مجھے کور کیا ہوا تھا۔ میرا ہاتھ ڈیوڈ ریبنز کے دائیں کاندھے کے اوپر گردن کے پاس تھا۔ وہ بالکل میرے سامنے تھے۔ ان باتوں کے دوران میں پسٹل کو اس پوزیشن میں لے آیا تھا کہ ایک نوجوان کے چہرے کا نشانہ لے سکوں۔ جیسے ہی انہوں نے حرکت کی میں نے فائر کر دیا۔ گولی اس کے ناک اور آنکھوں پر لگی تھی اس کی تیز چیخ کمرے میں گونج گئی۔ میں نیچے بیٹھ گیا۔ دوسرے نوجوان نے اس تذبذب میں گولی نہ چلائی کہ کہیں ڈیوڈ ریبنز کو نہ لگ جائے۔ یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ میں نے اس پر بھی فائر جھونک دیا۔ وہ تڑپ کر دیوار کے ساتھ جا لگا۔ اسی لمحے دروازے کے باہر کاریڈور میں تیز فائرنگ ہونے لگی۔ ڈیوڈ ریبنز کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ وہ ہذیانی انداز میں بکواس کرنے لگا۔

''تم..... تم ایسا نہیں کر سکتے..... میں تمہاری قوم سے بدلہ لوں گا۔ ایک کے بدلے سو مریں گے۔''

میں نے اسے گردن سے پکڑ کر دروازے میں دے مارا۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولنا چاہا، مگر وہ کسی میکنیزم سے بند تھا۔ میں اس

دروازے پر فائرنگ کر کے گولیاں ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے ڈیوڈ کو کالر سے پکڑ کر اٹھایا تو وہ لرزتے ہوئے لہجے میں بولا

''اگر تم مجھے نہ مارو تو میں تمہیں جانے کا محفوظ راستہ دے سکتا ہوں۔''

''بولو.....''میں نے تیزی سے کہا تو وہ جیب سے کارڈ نکال کر مجھے دیتے ہوئے بولا

''اسے دروازے پر لگاؤ۔''

میں نے کارڈ پکڑا اور دوراز ے پر لگایا۔ دروازہ تو کھل گیا، لیکن سامنے کا منظر کسی میدان کارزار سے کم نہیں تھا۔ تین لاشیں کاریڈور میں تھیں۔ اسی لمحے بانیتا کور ایک کمرے سے نکل کر باہر آئی اور مجھے دیکھ کر تیزی سے بولی

''نکلو، پولیس آ رہی ہے۔''میں نے ایک نگاہ ڈیوڈ کو دیکھا، اور آ گے کی جانب بڑھا۔ میں جیسے ہی بانیتا کور کے پاس پہنچا، اس نے پسٹل سیدھا کیا اور ڈیوڈ پر فائر کر دیا۔ میں دیکھا، ، فائر اس کے چہرے پر لگا تھا۔

''باقی لوگ.....؟''میں نے آ گے کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھا تو میرا ہاتھ پکڑ کر بھاگتے ہوئے بولی

''وہ نکل چکے ہیں۔ ان بے غیرتوں نے پولیس کو اطلاع دے دی تھی۔ یہاں پورا ایک کنٹرول روم تھا۔ نکل، میں نے بم رکھا ہے وہاں۔''

ہم سیڑھیوں ہی میں تھے کہ اوپر ایک دھماکا ہوا۔ ہم انتہائی تیزی سے نیچے پہنچے ہی تھے کہ سامنے کھڑے ایک نوجوان نے بلڈنگ کی پچھلی طرف سے نکلنے کا اشارہ کیا۔ ہم وہاں سے نکلے تو سامنے ایک چھوٹی سی دیوار تھی۔ ہم نے وہ پار کی تو دوسری جانب ایک مصروف سڑک تھی۔ ہم نے اپنے ہتھیار چھپا لئے لیکن اس طرح رکھ کہ جیسے ہی ضرورت پڑے انہیں استعمال کر لیا جائے۔ وہاں ٹریفک رکی ہوئی تھی۔ ہم تینوں نے بالکل نارمل حالت میں وہاں سے چلتے ہوئے سڑک پار کی۔ وہ ڈیسائی روڈ کا آف لنک روڈ تھا۔ اس کے سامنے ایک گلی تھی۔ جانی بھائی سے ہمارا مسلسل رابطہ تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اس کے چار لڑکے بری طرح زخمی ہیں، جنہیں ٹریٹمنٹ کے لئے ہسپتال کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ یہ اس نے اچھا کیا تھا کہ لڑکوں کی صورت میں اپنی شناخت نہیں چھوڑی، ورنہ اس کے لئے بہت مشکل ہو جاتی۔ ہم نے محتاط انداز میں کچھ ہی فاصلہ پیدل طے کیا اور جیسے ہی اس گلی کی طرف بڑھے بائیں جانب سیاہ فورڈ ہیل کچھ فاصلے پر تیزی سے آ رکی۔ اس کے رکتے ہی فطری طور پر ہم تینوں کی ادھر نگاہ گئی۔ اس میں سے ایک دم دو لوگ نکلے اور گنیں سیدھی کر لیں۔ ان کی گنوں کا رخ اپنے طرف دیکھ کر بلاشبہ ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ ہمارا شکار کرنے آن پہنچے تھے۔ لاشعوری طور پر ہم نے بھی ہتھیار نکال لئے۔

گلی کے پاس پرسکون ماحول میں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ یہاں اگر فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو جاتا تو بہت سارے بے گناہ لوگ مارے جا سکتے تھے۔ میں نے بانیتا کور کی جانب دیکھا۔ ہمارے پاس فیصلے کے لئے لمحے سے بھی کم وقت تھا۔ اس نے وہاں سے نکل جانے کو ترجیح دی۔ ہم پوری قوت سے بھاگ کر گلی میں داخل ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی فائرنگ سے فضا تڑتڑا اٹھی۔

ہم اس گلی سے نکل جانا چاہتے تھے۔ گلی بند بھی ہو سکتی تھی یا دوسری طرف سے دشمن کے لوگوں سے آمنا سامنا ہو سکتا تھا۔ ہمارے پیچھے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ میں نے بھاگتے ہوئے جانی بھائی کے لڑکے سے کہا کہ وہ گلی سے نکلتے ہی مخالف سمت میں نکل جائے۔ وہ سمجھ گیا۔ ہم

جیسے ہی گلی سے نکلے، وہ ایک جانب مڑا اور لوگوں میں غائب ہوگیا۔ ہم نے ٹریفک کے بہاؤ کی پروا نہ کرتے ہوئے روڈ پار کرنے کی کوشش کی۔

فائرنگ رُکی ہوئی تھی ۔ہم نے روڈ پار کیا اور دوسری طرف جا کر دیکھا، چند لوگ ہمارے پیچھے تھے ۔ میں جلد از جلد اس چوہے بلی کے کھیل کوختم کرنا چاہتا تھا ۔ مجھے چند منٹ چاہئیں تھے غائب ہونے کے لئے ،وہ ہمیں نگاہوں میں رکھے ہوئے تھے ۔ وہاں ٹھہرنے کے باعث مزید فورسز آ کر ہمیں دبوچ سکتیں تھیں۔ میں سڑک کنارے درخت کی آڑ میں ہوگیا۔ میرے سامنے چار لوگ تھے جو تیزی سے روڈ پار کرنے کی کوشش میں تھے۔ میرے فقط چار فائر کرنے کا وقت لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔

''نکلو بانیتا۔!'' میں نے بے ساختہ کہا اور روڈ کی دوسری جانب ایک گلی میں گھس گیا۔ گلی کی دوسری جانب ریلوے ٹریک تھا۔ جس کے پار جھونپڑیوں کی ایک پوری بستی آباد تھی۔

''کہاں ہو، یہ فائر.....'' جانی بھائی نے پوچھا تو میں نے لوکیشن بتادی۔

''دیکھ برج کس طرف ہے۔'' اس نے پوچھا تو میں نے برج دیکھ کر اسے بتایا تو وہ بولا'' چل بڑو ٹریک پار کر کے بھاگ، برج کے نیچے پہنچ۔''

ہم دونوں نے ٹریک پار کیا برج کی طرف بھاگنے لگے، جو تقریباً آدھے کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ اس طرف برج کے نیچے چند لڑکے بیٹھے ہوئے تھے، جو ایک دم سے کھڑے ہو کر ہمیں دیکھنے لگے۔ ہم ان کے پاس پہنچے تو ایک نے کہا

''ہم جانی بھائی کا دوست ہے، چل ہمارے ساتھ۔''

وہ ہمیں لیتا ہوا اس جھونپڑ بستی کی جانب چل دیا۔ اس کے ساتھ دوسرے لڑکے بھی تھے۔ وہ ہمیں ٹین اور لکڑی سے بنے ایک چھوٹے سے گھر میں لے گیا۔ جہاں ہندو دیوی دیوتاؤں کی تصویریں لگی ہوئیں تھیں۔ ایک جانب گنیش دیوتا کی مورتی کے سامنے دیا جل رہا تھا۔ جب تک ہماری سانس بحال ہوئیں وہ پانی کی بوتلیں لے آیا۔

''ادھر کا پانی آپ لوگ ہم نا ئیں کر سکت ہے، یہ پیور واٹر پیؤ۔''

''کب نکلیں گے یہاں سے؟'' بانیتا نے پوچھا تو جانی بھائی کی آواز آئی

''ابھی آپ آرام کرو، اکھا ممبئی میں تم لوگن کی تلاش کے لئے فورسز لگ گیا ہے۔''

''وہ ہمیں اسی علاقے میں ڈھونڈیں گے جانی بھائی؟'' میں نے کہا

''لیکن اس طرح نکلنا بھی خطرناک ہے، ذرا ویٹ۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا

''آج جس شے نے ہمیں بچایا ہے نا، وہ ہمارے درمیان رابطہ تھا، ورنہ ہم کب کے دھر لئے گئے ہوتے۔'' بانیتا کور نے سکون سے تبصرہ کیا

''وہ سالا گرباج بچ گیا۔'' میں نے دُکھ سے کہا

''نہیں بڑو، وہ سب سے پہلے مرا ہے، وہ کاریڈور میں تھا، جب ہم نے حملہ کیا۔'' جانی بھائی نے کہا، پھر لمحہ بعد بانیتا کہنے لگی

''اس بلڈنگ میں آٹھ اپارٹمنٹ تھے، یہ سارے انہی لوگوں کے پاس تھے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ان پر اس طرح حملہ ہو

سکتا ہے، پورا کنٹرول روم تھا، تیری باتوں سے پتہ چلا.....''

''اب نکلنا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا

''کہا نا تھوڑا ویٹ۔'' جانی بھائی نے کہا اور اُس طرف سے خاموشی ہوگئی۔ چند لمحے انتظار کے بعد بانیتا کو رمجھے تفصیلات بتانے لگی جبکہ میں ڈیوڈ ریبنز سے ہونے والی باتیں یاد کر رہا تھا۔ اس نے مجھے بلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی باتیں مجھے کھائے جا رہی تھیں۔

ساری رات جاگتے رہنے کے باوجود اس وقت بھی نیند میری آنکھوں میں نہیں تھی۔ میں یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ہم جتنا وقت یہاں رہے ، اتنا ہی خطرہ بڑھتا چلا جائے گا۔ ہم فورسز کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے تو شاید انہیں ہمارا سراپتہ نہ ملتا، لیکن ہم ان کی ناک کے نیچے سے ہی نکلے تھے اور اس علاقے میں موجود تھے۔ گذرتے لمحات کے ساتھ اسی علاقے پر ان کا فوکس ہو جانا تھا اور ہمارے لئے نکلنا بہت مشکل ہو جانا تھا۔ اس وقت میرے اندر بے چینی پورے عروج پر تھی۔

☆......☆......☆

گوا میں سب سے پہلے جسپال اور رونیت کور ہی ساحل کی طرف سے اس گیراج کی جانب نکلے تھے، جہاں ان کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہ پیدل ہی وہاں سے نکلے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ایک جگہ اکھٹے ہو کر وہ گیراج تک جا پہنچیں گے۔ لیکن ایک دم ہی سے انہیں ناکہ بندی ہونا شروع ہو گئی تو فرینڈس نے سب کو الگ الگ نکل جانے کا مشورہ دیا۔

جسپال اور رونیت اس وقت ساحل سے شہر کی طرف جانے والی مصروف سڑک کے کنارے کھڑے تھے۔ مقامی اور غیر ملکی لوگوں کی وہاں پر گہما گہمی تھی۔ سڑک کنارے کافی سٹال لگتے ہوئے تھے، جہاں مختلف چیزیں مل رہی تھیں۔ رونیت وہاں چیزیں دیکھنے لگی۔ تبھی انہیں سندو کا فون ملا۔

''جسپال۔! ایک بری خبر ہے۔''

''کیا؟'' اس نے مرتعش لہجے میں پوچھا

''چنڈی گڑھ میں کچھ لوگ پروفیسر کو اٹھانے آئے تھے۔ مقابلے میں تین لڑکوں کے ساتھ پروفیسر بھی مارا گیا ہے۔ ظاہر ہے ان کے نیٹ ورک کی نشاندہی گرباج نے کی ہوگی۔'' اس نے رنجیدہ لہجے میں بتایا تو جسپال سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا

''اوہ، یہ تو بہت برا ہوا۔ اس کا مطلب ہے اب چنڈی گڑھ محفوظ نہیں۔''

یہاں ، اور وہاں چنڈی گڑھ میں بھی پولیس ہی نہیں اور بہت سارے لوگ بھی پوری طرح الرٹ ہو چکے ہیں۔ تم لوگ جس قدر جلدی ممکن ہو یہاں سے نکل جاؤ۔ ہم بعد میں آتے رہیں گے۔ تم جہاں بھی جاؤ، رابطہ ضرور کرنا، مجھے جمال کا بھی کچھ پتہ نہیں چل رہا۔''

''تم لوگ ہو کہاں پر؟'' جسپال نے پوچھا

''ہم یہاں ساحل پر ہی ہیں۔ یہاں کے سارے راستے بند ہیں۔ سخت چھان بین ہو رہی ہے۔ ہمیں نکلتے ہوئے وقت لگ سکتا ہے، اتنی دیر میں تم لوگ......'' اس نے جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی

''او کے، تم لوگ اپنا خیال رکھنا۔'' جسپال نے کہا تو رابطہ کٹ گیا۔

جسپال نے رونیت کی طرف دیکھا، وہ چیزیں خریدنے میں محو تھی۔ جسپال نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ فوراً ہی پلٹ کر جسپال کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی جو سپاٹ تھا۔ اس نے رونیت کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر چل دیا۔ جسپال کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ پروفیسر کے بارے میں اسے کیسے بتائے۔ کافی دور تک چلتے رہنے کے بعد رونیت نے تجسس سے پوچھا

''کوئی بات ہے، جسپال؟''

''ہاں۔! لیکن تمہیں یہ بہت حوصلے سے برداشت بھی کرنا ہوگا۔'' وہ باوجود کوشش کے اپنے مرتعش لہجے پر قابو نہ رکھ سکا تو وہ بولی

''کہہ دو۔'' اس پر اس نے وہ ساری بات بتا دی۔ ایک لمحے کے لئے رونیت کو رحواس باختہ ہوئی۔ پھر ایک دم سے جسپال کے گلے لگ کر رونے لگی، یہاں تک کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس نے رونیت کو رونے دیا۔ کچھ دیر وہ اس سے الگ ہوئی تو یوں ہو رہی تھی جیسے اس میں جان ہی نہ رہی ہو۔ پھر سسکتے ہوئے بولی: ''وہ میرا باپ تھا اور وہی میری ماں، ہمیں فوراً چندی گڑھ نکلنا ہوگا۔''

''یہ دیکھ لو کہ وہاں رسک ہے۔'' جسپال نے کہا تو وہ ضد کرتے ہوئے بولی

''نہیں، جو کچھ بھی ہو، میں انتم سنسکار میں ضرور شامل ہوں گی۔''

''او کے۔'' جسپال نے کہا اور ائیر پورٹ کے لئے ٹیکسی دیکھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

سہ پہر ہوگئی تھی اور ہم اسی جھونپڑی میں پڑے ہوئے تھے۔ اس دوران جانی بھائی نے ہم سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ ہمارے کانوں کے ساتھ لگے آلات خاموش ہو چکے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ میری بے چینی بڑھتی چلی جا رہی تھی کہ وہی لڑکا فون لے کر آ گیا۔ دوسری طرف جانی بھائی تھا۔ وہ سکون سے بولا۔

''بڑو۔! ادھر اپنا حلیہ بدل، اور ساتھ والی چھمیا (حسین لڑکی) کو بھی کہہ۔ تم دونوں اپن کے پاس آ جاؤ۔ ہوٹل پر نجر ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے فون بند کر دیا۔ تبھی میری نگاہ ایک پیکٹ پر پڑی جو وہ لڑکا لے کے آیا تھا۔ ہم نے کپڑے بدلے اور کچھ دیر بعد میزبان لڑکے سمیت ہم اس جھونپڑی سے پیدل نکل پڑے۔ تقریباً دو کلو میٹر آگے ایک ٹیکسی ہمارے انتظار میں تھی۔ لڑکا ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا اور ہم پیچھے، ٹیکسی چل دی۔ کافی دیر تک سفر کرتے رہنے کے بعد ہم ممبئی کے تجارتی اور پرانے علاقے کولابہ میں موجود ایک پرانی بلڈنگ کے پورچ میں آ رکے۔ ہم چھٹی منزل کے ایک اپارٹمنٹ تک جا پہنچے۔ اندر ڈرائنگ روم میں جانی بھائی بیٹھا ہوا تھا۔

کچھ دیر باتوں کے بعد میں اور بانیتا فریش ہوئے، پھر کھانے کے بعد جانی بھائی نے پوچھا

''جمال، اب تیرا پروگرام کیا ہے؟''

''یہیں ممبئی میں رہ کر اس ڈیوڈ کا سارا نیٹ ورک تباہ کرنا ہے۔ بس یہی میری.....''

''شاید ابھی تو ایسا نہ کر سکے۔ ابھی کھانا کھا، سکون کر، ادھر لڑ کا لوگ ہے، سیفٹی ہے۔ چاہے تو گھوم پھر لے۔ پھر بات ہو گی۔ لمبا لفڑا ہے۔ کچھ دن انڈر گراؤنڈ رہنا ہو گا۔'' جانی بھائی نے میری بات کاٹ کر کہا

''دیکھ جانی بھائی، تو میرا محسن ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تجھے کوئی خطرہ ہو، وہ بھی میری وجہ سے۔ میں کوئی اور ٹھکانہ کر لوں گا تم......''

''ارے کیسی بات کرتا ہے بڑو، یہ دھول مٹی جو اٹھی ہے نا، دو چار میں بیٹھ جائے گی۔ پھر تم جو کرنا۔ ابھی آرام کر، پھر ملتے ہیں۔'' یہ کہہ وہ اٹھا اور اپنا سیل فون مجھے دے کر اپنے لوگوں کے ساتھ چلا گیا۔ ایک دم سے سناٹا چھا گیا۔ دو تین لڑکے تھے، جو باہر تھے۔ میں اور بانیتا کور بیڈ روم میں آ گئے۔ میں نے کھڑکی سے دیکھا، یہ وہی علاقہ تھا جہاں انڈیا گیٹ، تاج محل ہوٹل اور دیگر مشہور عمارتیں تھیں۔ میرے دائیں جانب انڈیا گیٹ دکھائی دے رہا تھا۔ میں واپس بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔ تو بانیتا کور نے لیٹتے ہوئے کہا

''جانی بھائی ٹھیک کہہ رہا تھا، بس سکون کرو۔ پھر میں بتاؤں گی کہ کیا کرنا ہے۔''

''کیا ہے تیرے ذہن میں؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے اس سے پوچھا

''زوردار سنگھ کے پاس کوئی نہ کوئی......'' اس نے کہنا چاہا تو میں بولا

''چل ابھی سکون کرتے ہیں، پھر دیکھا جائے گا۔''

میں لیٹنے کو تو بانیتا کے پہلو میں لیٹ گیا مگر مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ڈیوڈ ربینز کی باتیں میرا دماغ خراب کر رہی تھیں۔

اس وقت شام ہو رہی تھی۔ بانیتا سو چکی تھی۔ میں اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ میں نے ایک لڑکے سے نیٹ کے بارے پوچھا۔ اس نے ایک کمرے میں پڑے کمپیوٹر کے بارے بتایا۔ میں اسے کھول کر بیٹھ گیا۔ روہی سے کافی کام کی باتیں معلوم ہوئیں۔ انہوں نے ڈیوڈ کے بارے میں کچھ بھی نہ کرنے اور ایک نمبر پر بات کرنے کی بابت ہدایت دی ہوئی تھی کہ جو وہ کہے اس پر عمل کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی جسپال کا نمبر تھا۔ مجھے کافی حوصلہ مل گیا کہ اب جس نئی راہ کے بارے بتایا جا رہا ہے۔ ضرور اس کے ڈانڈے ڈیوڈ تک جاتے ہوں گے۔ میں نے پہلے جسپال سے رابطہ کیا۔ وہ چنڈی گڑھ پہنچ چکا تھا اور رونیت کے ساتھ پروفیسر کے انتم سنسکار میں مصروف تھا۔ میں نے دوسرا نمبر ٹرائی کیا۔ کچھ دیر بعد رابطہ ہو گیا۔ دوسری طرف ایک بھاری آواز سننے کو ملی۔ کوڈ ورڈ کے تبادلے کے بعد میں نے اپنا نام بتایا تو اس نے کہا

''مجھے پتہ ہے، تم اس وقت انڈیا گیٹ کے پاس ہو۔ سورج ڈھلنے کے بعد، مجھے وہیں ملو۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنی شناخت بتائی۔ میں نے جواباً ڈن کرتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے، میں پہنچتا ہوں وہاں۔''

''اور ہاں، تمہارے ساتھ جو لڑکی ہے، اسے مت لانا، اسے کہو وہ واپس اپنے شہر چلی جائے۔ یہ ذہن میں رکھنا کہ اب واپس اس اپارٹمنٹ میں نہیں آنا۔''

اس کے ساتھ ہی اس کا فون بند ہو گیا۔ میں کمپیوٹر کے پاس سے اٹھا اور بانیتا کور کے پاس گیا۔ وہ جاگ رہی تھی۔ میں سوچ چکا تھا کہ اس سے کیا کہنا ہے۔

''بانیتا۔! ہمیں یہاں سے ابھی نکلنا ہے،فوراً۔''

''کیا ہوا؟''اس نے تیزی سے اٹھتے ہوئے پوچھا

''تم یہاں سے سیدھی زورادر سنگھ کے پاس چلی جاؤ،یا پھر امرتسر،ہمیں اب غائب ہونا ہے۔''میں نے تشویش سے کہا

''پر ہوا کیا ہے؟''اس نے الجھتے ہوئے پوچھا

''ہمارے لئے فورسز اس علاقے میں پہنچ چکی ہیں۔وہ لڑکا جو ہمیں یہاں چھوڑ گیا تھا،وہ پکڑا گیا ہے۔''میں نے کہا تو بانیتا کے چہرے پر تشویش لہرا گئی۔زورادر سنگھ کا نمبر اسے یاد تھا۔اس نے رابطہ کیا۔اگلے چند منٹوں میں ہم وہاں سے نکل پڑے۔بانیتا کو راایک ٹیکسی میں بیٹھ کر نکل گئی۔اور میں پیدل ہی انڈیا گیٹ کی جانب چل پڑا۔سورج مغرب کی اوٹ میں جانے کو تیار تھا۔

میرے پیچھے سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہریں تھیں۔انڈیا گیٹ سے مشرق کی جانب کافی فاصلے پر میں ایک بنچ پر بیٹھا ہوا تھا۔وہاں لوگوں کا کافی رش تھا۔ہر طرف لوگ سیر سپاٹے اور موج مستی کے لئے پھر رہے تھے۔ان میں زیادہ تعداد جوڑوں کی تھی۔مجھ سے ذرا فاصلے پر ایک موٹا سا شخص گٹار پر اپنی بھدی آواز میں نجانے کس زبان میں کوئی گیت گا رہا تھا۔میں اندر سے بے چین اور بظاہر پرسکون تھا۔مجھے وہاں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا کہ میرا سیل فون بجا۔وہی نمبر تھا۔وہ جو کوئی بھی تھا،وہیں موجود تھا۔چند منٹوں میں وہ میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔وہ چھریرے بدن کا ادھیڑ عمر شخص تھا۔موٹے نقوش،سیاہ رنگ اور سرخ آنکھیں۔غیر معمولی طور پر اس کی آواز بھاری تھی۔

''تم مجھے شیوا کے نام سے پکار سکتے ہو۔اور تمہیں آج رات یہاں سے نکلنا ہے۔''اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

''مگر یہاں تو ڈیوڈ.....''میں نے کہنا چاہا تو وہ بولا

''اس کے لئے ابھی وقت چاہئے۔وہ صرف ایک چھوٹا سا گروہ یا کسی مافیا کا نیٹ ورک نہیں ہے۔اس میں حکومتیں شامل ہیں۔حکومت کا مطلب،تمام فورسز اور اس کے پیچھے ان کی پوری قوت۔''

''تم مجھے ڈرا رہے ہو یا ان سے مرعوب کر رہے ہو؟''میں نے الجھتے ہوئے پوچھا

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے،یہ نیٹ ورک توڑنا ہے،مگر اس کے لئے تھوڑا صبر،گہری پلاننگ اور طاقت کی ضرورت ہے۔وہ اکٹھی کر لو،میں تمہیں یہیں ملوں گا۔''اس نے سپاٹ لہجے میں کہا تو میں ایک دم سوچ میں پڑ گیا۔وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔میرے پاس اگر ارادہ اور حوصلہ ہے تو قوت بھی ہونی چاہئے۔ابھی تو مجھے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ ڈیوڈ ربینز سے بات کہاں تک پہنچی ہوئی ہے۔زمینی سطح سے لیکر حکومتی ایوانوں تک کتنی مضبوط چین ہے۔جب تک مجھے ان کے بارے پتہ نہیں ہوگا،تب تک ہوا میں تیر مارنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

''کیا کہتے ہو تم؟''میں نے پوچھا

''وہ تو میں کہہ چکا۔تجھے آج رات یہاں سے نکلنا ہے۔اٹھو اور چلو میرے ساتھ۔''یہ کہتے ہوئے اس نے پھر سے میری آنکھوں میں دیکھا۔میں اٹھ گیا۔

ہم وہاں سے پیدل ہی نکلے تھے۔ مختلف سڑکیں پار کرتے، گلیوں میں ہوتے ہوئے ہم ایک گھر میں چلے گئے۔ وہاں مجھے مقامی ماہی گیروں کے جیسے کپڑے دیئے گئے۔ وہاں کچھ لوگ اور بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم سب وہاں سے نکلے اور ممبئی ڈیک پر آگئے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے چھوٹے بڑے جہاز، اسٹیمر، ماہی گیروں کی کشتیاں سمندر میں جاتی تھیں۔ سامنے لوہے کا پھاٹک تھا، جس پر دو سنتری کھڑے تھے۔ وہ ان ماہی گیروں کا اجازت نامہ دیکھ رہے تھے۔ شیوا ان سب سے آگے تھا۔ اسے دیکھتے ہی دونوں سنتری خوش ہو گئے۔ اس نے جاتے ہی ایک سنتری کے ہاتھ پر کچھ نوٹ رکھے، جسے اس نے فوراً چھپا لئے۔ اجازت نامہ دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی اور ہم بڑے آرام سے آگے بڑھ گئے۔ ڈیک پر مختلف طرح کی کشتیاں لگی ہوئیں۔ ان میں نسبتاً ایک بڑی کشتی جسے وہ چھوٹا جہاز کہہ رہے تھے، اس میں جا بیٹھے۔ کچھ دیر بعد انجن سٹارٹ ہوا اور ہم ممبئی سے بحیرہ عرب کے گہرے پانیوں کی طرف چل پڑے۔ شیوا میرے پاس نہیں آیا۔ وہ اپنے ساتھی ماہی گیروں کے ساتھ مصروف رہا۔ میں انجن والے کیبن میں پڑا تھا۔ اور اپنی سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ مجھے بھارت سے نکل جانے کا اندازہ ہو گیا تھا۔

رات کے دو بجے کے ارد گرد وقت ہوگا، جب گہرے پانیوں میں ایک دوسری کشتی کے قریب جا پہنچے۔ دھیرے دھیرے وہ ساتھ لگی تو شیوا نے مجھے کیبن سے باہر آنے کو کہا۔ سب لوگ سوئے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے ساتھ لگی کشتی میں جانے کو کہا، جس میں چند لوگ کھڑے منتظر تھے۔ میں اس میں کود گیا۔ اس نے ہاتھ ہلایا اور پھر کیبن میں چلا گیا۔ میرے والی کشتی چل پڑی۔ نئی کشتی والے لوگ مجھے کیبن میں لے گئے جہاں تیز روشنی تھی۔ میں ایک دم سے ٹھٹھک گیا۔ میرے سامنے کرنل سرفراز بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر اٹھ گئے۔

''کرنل آپ؟'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا

''ہاں میں، آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے مجھے گلے لگایا اور پھر ایک بیڈ نما جگہ پر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ باقی لوگ باہر نکل گئے۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ یہاں پر ہوں گے۔'' میرے کہنے پر وہ ذرا سا مسکراتے ہوئے بولے۔

''یہ دنیا ہے، اس میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن تم اس وقت سے میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو، جب سے تم میرے پاس تھے۔ تم میری ذمے داری میں ہو۔'' یہ کہہ کر انہوں نے مسکراتے ہوئے دیکھا پھر بولے ''تمہیں میلے سے اٹھا لیا گیا، یہ لاپرواہی نہیں تھی۔ بس تجھے خبر نہیں کی گئی تھی۔ تجھے جال میں سے اٹھانے سے قبل تیری حفاظت پر مامور لوگ آگئے تھے، مگر ان کا پلان بہت مضبوط تھا۔ اب تمہارا گھر محفوظ ہے۔ کیونکہ یہ اب میری ذمے داری میں ہے۔''

''یہ ذمے داری کس نے دی کرنل؟'' میں نے ہمت کر کے پوچھا تو گہری سنجیدگی سے بولے

''میں نے خود لی ہے یہ ذمہ داری، جس طرح نیکی اور بدی کے درمیان ایک واضح لکیر ہے اسی طرح انسانیت اور شیطانیت کے درمیان بھی لکیر ہے۔ کون کس طرف ہے، یہ اب تم اچھی طرح جانتے ہو، اسی باعث ذمہ داری لی ہے میں نے۔''

''میری بس اب یہی آرزو ہے کہ میں ڈیوڈ ربنز کا نیٹ ورک تباہ کر دوں۔ اس نے بہت غلط.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کاٹتے ہوئے انتہائی جذباتی لہجے میں بولے

''اس جیسے نجانے کتنے ہیں اس وقت بھارت میں،تم کس کس سے لڑو گے۔ اسے بھول جاؤ اور اب ہمیں کچھ ایسا کرنا ہے، جس سے ان سب کی ہمت جواب دے جائے، ان پر ہمارا خوف مسلط ہو جائے۔ یہودیوں نے تو یہاں جگہ بنائی ہے، اصل قصوروار تو وہ ہیں جنہوں نے انہیں یہاں جگہ دی۔ اگر جگہ دے بھی تو ان کا ملک ہے، جو چاہیں کریں، لیکن وہاں بیٹھ کر اگر میرے وطن بارے بری سوچ رکھیں گے تو وہ دماغ ہی ختم کر دینا ہمارا فرض ہے۔ ہم یہ کبھی برداشت نہیں کریں گے۔''

میں نے پہلی بار انہیں یوں جذباتی دیکھا تھا۔اس لئے بڑی احتیاط سے پوچھا

''تو پھر مجھے یوں واپس کیوں؟''

دیکھتے جاؤ کیا ہوتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کے لئے رُکے اور پھر کچھ کھانے پینے کی چیزیں نکال کر میرے سامنے رکھ دیں۔ مجھے بھوک لگی ہوئی تھی۔ میں کھانے لگا۔ اس دوران وہ مجھ سے مختلف سوال کر کے بھارت میں ہونے والے واقعات پوچھتے رہے۔ کیبن میں انجن کا شور تھا۔ ہم باہر کھلی فضا میں پڑی کرسیوں پر آ بیٹھے۔تب میں نے پوچھا

''کرنل، آپ یہاں کیسے؟''

''میرا ایک مقصد ہے اور میں اسی کی حفاظت میں ہوں۔''انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا

''مقصد اور حفاظت؟''میں نے سمجھنے کے لئے پوچھا

''دیکھو۔! مقصد کی حفاظت اصل حقیقت ہے، اس کے لئے جان دینی پڑے یا لینی پڑے، ایک ہی بات ہے۔ اب یہ مقصد ہمارے اندر کس قدر راسخ ہے، یہ ہمارے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ عمل بتا دیتا ہے کہ ہم لکیر کے کس طرف کھڑے ہیں۔ انسان میں اچھائی اور برائی کی تمیز رکھی ہوئی ہے، اسی سے پتہ چلتا ہے۔ یہ ہمارے کردار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری آرزو کیا ہے۔ اس کا اظہار ہماری ذات نے کرنا ہے کیونکہ یہ ہمارے اندر ہی پڑا ہوا ہے۔ مقصد اسی وقت راسخ ہوتا ہے جب آرزو پیدا ہوتی ہے۔''

''یہ کس طرح ہو جاتا ہے؟''میں نے پوچھا

''ہر اکائی اپنے اندر کائنات چھپائے ہوئے ہے۔ جیسے ایک بیج سے پورا درخت وجود میں آتا ہے۔ اکائی ہے تو اس کا ظہور ہے۔ اکائی وہ قوت ہے جس میں ہر قوت جذب، پنہاں اور سموئی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ بات میں تمہیں ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔ دیکھو۔! پوری انسانی صورت ایک قطرے میں پڑی ہوئی ہے۔ ایک قطرے سے صورت اور صورت میں پھر سے قطرے کا ظہور ہوتا ہے۔ اس میں تخلیق کی آرزو ہوتی ہے۔ یہ سارا پراسس یا عمل، لذت کے باعث اپنی تکمیل کرتا ہے۔ سمجھو، تخلیق کی آرزو کی لذت قطرہ بن جاتی ہے۔ یہی جسم و جان کا ملاپ ہے۔ اس سارے پراسس یا عمل میں لذت ہی اہم ہے۔ یہ لذت وہ ہے جس میں تمام سرا پا لذتیں پڑی ہوئیں ہیں۔ جیسے کھانا پینا، سونا، دیکھنا۔ جب یہ لذت ظہور میں آتی ہے تو سراپا لذت ظہور میں آ جاتا ہے۔ کیا ہم اپنے حواس کی لذتیں نہیں جانتے۔''

''مطلب، آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی بھی پراسس یا عمل اس وقت آگے بڑھتا ہے جب اس میں لذت ہوتی ہے۔'' میں نے ان کی بات سمجھتے ہوئے کہا۔

''اب دیکھو دل، عقل اور جسم رُد بہ عمل ہیں۔ عقل کے پاس تصور ہے، جسم کے ساتھ کردار ہے، اور دل کے پاس عشق ہے۔ جب ان تینوں کا میل ہو جاتا ہے تو عمل وجود میں آتا ہے۔ تصور، کردار اور عشق کی لذتیں آرزو سے پیدا ہوتی ہیں۔ آرزو ہی مقصد کو وجود میں لاتی ہے۔ یہی مقصد انسان کو عمل کے ذریعے تمام جہد اور پوری جانفشانی سے اسے، اس کے مقام انسانی تک پہنچاتا ہے۔ اسی میں انسان کی عظمت ہے کہ وہ انسان ہے۔ وہ انسان جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے، وہ مقام انسانیت سے گر جاتا ہے۔ اب انسان خود دیکھ لے کہ اس کی آرزو کیا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے۔''

''مقام انسان کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کے لئے تمہیں پھر سے اکائی کو سمجھنا ہوگا۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہوئے، پھر کہتے چلے گئے۔'' اکائی کی ضد کثرت نہیں بلکہ تفرقہ ہے۔ یہ تفرقہ کیا ہے؟ صورت میں موجود ہر طرح کی سوچ پڑی ہے۔ اس میں حسد، منافقت، دوئی، غیر، ہوس، بے غیرتی، فساد، ظلم، تکبر، غرور جیسی انسانی تذلیل والی سوچوں کو نکال کے باہر پھینک دیا جائے اور اس کی جگہ اکائی سے یکتائی حاصل کی جائے، انسان وحدت میں آئے۔ وحدت پیدا کرنے والی قوت عشق ہے۔ جس میں غیر نہیں ہوتا، عاشق کی نگاہ اپنے محبوب پر رہتی ہے، وہی اس کا مرکز و محور ہوتا ہے۔ سارے مجاہدے، کوششیں اور جہاد انسانی صورت کی وحدت میں معین ہونے کے لئے ہیں۔ یہی مقام انسانیت ہے۔'' انہوں نے پورے جذب سے کہا

''اسے میں یوں سمجھا ہوں کہ آرزو ہی مقصد بناتی ہے، جسے لذت رُو بہ عمل کرتی ہے۔ تبھی اس کے کردار کے ذریعے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس مقام پر ہے۔'' میں نے کہا

''آرزو سے مقام تک کے سفر میں ریاضت سب سے ضروری ہے۔ مثلاً کمپیوٹر ہی کو لے لو، ایک آرزو پیدا ہوئی، اسے حقیقت تک لانے میں نجانے کتنے مرحلے درپیش ہوئے، کتنا وقت لگا اور کتنی کوششیں ہوئیں، اس کے بعد کیا ہوا، اب پوری دنیا انسان کی انگلی پر ہے۔ اب اس میں کتنی برائیاں ہیں اور کتنی اچھائیاں، وہی اس کے مقام کا تعین کرتا ہے۔ لیکن انسان پھر بھی اس سے ماورا ہے۔ کیونکہ یہ سب انسان کر رہا ہے۔ یہ انسان کی آرزو کی تخلیق ہے۔ یہ انسانی آرزو کی گنتی میں آئے گا۔'' انہوں نے کہا، پھر لمحہ بھر کے لئے رُکے اور میرے چہرے کی طرف دیکھ کر بولے۔'' یہ بہت بڑی بات ہے کہ تمہارے اندر آرزو پیدا ہوگئی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے تھے کہ اندر سے ایک لڑکے نے فون آنے کی بابت بتایا۔ وہ اٹھ کر اندر چلے گئے۔ اندھیرے میں سمندر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کیبن سے چھن کر آتی ہوئی روشنی میں پانی نظر آ رہا تھا۔ میں اب تک کرنل سرفراز کے یہاں ہونے پر حیران تھا۔

کشتی کی رفتار کیا تھی اور ہم کس طرف جا رہے تھے، میں نے یہ کرنل سے پوچھا ہی نہیں تھا۔ وہ کافی دیر تک کیبن میں مصروف رہے تھے۔ میں وہیں کرسی پر بیٹھا اونگھتا رہا۔ اس وقت صبح کے آثار واضح ہونے لگے تھے، جب کرنل میرے پاس آئے۔ ان کے ہاتھوں میں چائے کے دو مگ تھے۔ انہوں نے ایک مجھے دیا اور مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

سورج طلوع ہونے کو بے تاب تھا۔ مشرق کے ماتھے پر سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ سیاہ اور سرمئی بادل افق پر پھیلے ہوئے تھے۔ تبھی کرنل نے چائے کا سپ لیتے ہوئے گہرے لہجے میں کہا۔

''انقلاب کا سورج طلوع ہونے سے پہلے، اتنی سرخی پھیل جاتی ہے۔ آزادی کی سحر یونہی نہیں مل جاتی۔ پتہ نہیں کتنے سینکڑوں ہزاروں ستاروں کا خون ہوتا ہے تو سحر نصیب ہوتی ہے۔''

''بے شک آزادی یونہی نصیب نہیں ہوتی، یہ قربانی مانگتی ہے۔'' میں نے ان کی بات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا

''اور اگر، اس آزادی کو ضائع کر دیا جائے، یا اس کا غلط استعمال کیا جائے، یا آزادی کے اصل ثمرات سلب کر لئے جائیں، تو پھر کیا کرنا چاہئے؟''

''آزادی کی حفاظت زندہ قومیں کرتی ہیں۔'' میں نے جوش سے کہا

''قوم، افراد سے بنتی ہیں، اور ہر فرد اپنی اکائی میں ایک پوری قوم ہے۔ کیا ہمارے اندر یہ آرزو ہے کہ ہم اپنی آزادی کی حفاظت کریں، کیا ہمیں یقین ہے کہ ہم اپنی آزادی کی حفاظت کر سکتے ہیں؟ اپنی ہی قوم کا ہر فرد، اپنے اندر جھانک کر دیکھے کہ وہ اس آزادی کی، کس قدر حفاظت کر رہا ہے، یا آزادی کی حفاظت کرنے کی آرزو اس میں ہے؟ پتہ چل جائے گا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔'' انہوں نے بھیگے لہجے میں کہا

''میں نے تو اب تک جو دیکھا ہے، ایسا بہت کم ہے۔'' میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا

''یہی تو المیہ ہے، وہ سوچ جو اس قوم میں ہونی چاہئے تھی، وہ ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ جو ایک وطن کا مقصد تھا، یا اپنے مقصد سے آشنا ہی نہیں ہوئے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے دور آسمان پر نگاہیں ٹکا دیں، پھر چائے کا ایک طویل سپ لے کر بولے'' زندگی کی بقا، واضح مقصد میں اور مقصد آرزو میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ آرزو میں جس قدر تڑپ ہوتی ہے، انسان کی پوشیدہ صلاحیتیں اتنی ہی بیدار ہوتی ہیں۔ ترقی کی نئی راہیں، کامیابی کی نئی تدبیریں اور عقل کی رسائیاں آرزو ہی کے بطن سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی سے انسان کے اندر وحدت افکار پیدا ہوتی ہے جو بالآخر وحدت کردار میں ظاہر ہوتی ہے۔''

''زندگی، مقاصد کی تخلیق کرتی ہے اور کسی بھی مقصد میں کامیابی آرزو کی شدت میں ہے'' میں نے اپنا سبق دہرایا تو وہ گہری سنجیدگی سے بولے

''آرزو تڑپ ہی نہیں رکھتی بلکہ وہ لذت بھی رکھتی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ جس کے اندر آرزو کی تڑپ ہے، وہی اس کی لذت سے واقف ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے میری طرف دیکھا اور لمحہ بھر دیکھتے رہنے کے بعد بولے'' تم اکائی سے سفر کر کے یکتائی کی طرف جا رہے ہو، یہ میں جانتا ہوں، اس لئے تم پر بھاری ذمے داری فرض ہو گئی ہے۔ تم نے سوال کیا تھا نا کہ میں یہاں پر کیوں ہوں، تو اسی مقصد کے لئے۔ یہ جو ممبئی سے کراچی تک کا سفر ہے، میں اس میں تم پر واضح کر دوں۔ چاہو تو اپنے گاؤں جا کر پرسکون زندگی گذارو، یا پھر اپنی آرزو کے اپنے مقصد کا تعین کر لو۔''

''میرے مقصد کا تعین تو ہو چکا کرنل۔'' میں نے کہا تو وہ بولے۔

''کیا ہے؟ میں سننا چاہتا ہوں۔''

''ہم نے عظیم قربانیاں دیں، یہ افق پر سرخی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، آزادی کا سورج طلوع ہو گیا۔ اس لئے کہ پاکستان کا مطلب ہے لا الہ الا اللہ۔ اور اب پاکستان کا مقصد ہے محمد رسول اللہ۔ یہی میری آرزو ہے، یہی میرا مقصد'' میں نے پورے دل سے کہا۔ تب انہوں نے طویل سانس لی اور گہری سنجیدگی سے بولے۔

''کراچی پہنچ جائیں، باقی باتیں وہیں چل کر ہوں گیں۔'' یہ کہہ کر انہوں میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دبایا اور کیبن کی جانب چل پڑے ۔میں اپنے سامنے ابھرتے ہوئے سورج کو دیکھ رہا تھا۔

دوپہر ہونے کو تھی جب کشتی کراچی کے مضافات میں سمندر کنارے لگی۔ وہاں پہلے سے کئی لوگ موجود تھے۔ وہ چھوٹی کشتیاں لے کر تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ کرنل سرفراز اور میں ایک کشتی میں بیٹھ کر خشکی پر آ گئے۔ سامنے ہی ایک فور وہیل جیپ کھڑی تھی ہم اس میں بیٹھے تو جیپ چل دی۔ تقریباً پندرہ منٹ چلنے کے بعد ہم ایک فارم ہاؤس کی طرز پر بنے گھر میں آ گئے۔ وہاں موجود ملازمین نے مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ کچھ دیر فریش ہونے ہی میں لگی تھی کہ مجھے کھانے پر بلا لیا گیا۔ ڈائننگ ٹیبل پر چھ لوگ موجود تھے، جن میں مختلف عمروں کے جوان مرد و خواتین تھیں۔ ساتواں میں وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد کرنل سرفراز وہیں آ گئے۔ نہایت خاموشی میں کھانا کھایا گیا۔ فقط برتنوں کی آوازیں آتی رہی تھیں۔ کھانا ختم ہوتے ہی تیزی سے برتن اٹھالئے گئے اور چائے سرو کر دی گئی۔ تبھی کرنل سرفراز بولے

''الحمد اللہ۔ ہم سب یہاں خیریت سے یہاں پہنچ گئے۔ سب سے پہلے اپنا تعارف کرائے گا۔ پھر بات کرتے ہیں۔'' یہ کہہ کر کرنل نے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک نوجوان کی طرف دیکھا۔ وہ تیکھے نقوش والا، جس کی ہلکی ہلکی مونچھیں اور داڑھی جیسے ابھی اُگی نہیں تھی مگر بال سیاہ اور گھنے تھے ۔اس نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں جنید ہوں، تعلق پاکستان کے شہر پشاور کے نزدیک گاؤں سے ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کا طالب علم ہوں، اتنی ڈگریاں تو میرے پاس نہیں ہیں لیکن اس زمانے کے جو مسئلے ہیں انہیں حل کرنے کی صلاحیت ہے مجھ میں۔ امریکہ میں تھا، صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے ذلیل کیا گیا۔ بہت سارے لوگ ابھی وہاں بھگت رہے ہیں لیکن میں اپنے آپ سے سمجھوتہ نہیں کر پایا ہوں۔''

اس سے آگے سانولے رنگ کا لمبا تڑنگا، مناسب جسم اور موٹی گردن والا نوجوان تھا، اس نے چہرہ اوپر اٹھایا اور سنجیدگی سے بولا۔

''میں اکبر علی ہوں، لوگ مجھے انٹیلی جنٹ کہتے ہیں۔ فارن افیئر اور سماجی تنظیم و بہبود میرا شعبہ ہے۔ معذرت خواہ ہوں کہ میں کوئی مذہبی آدمی نہیں لیکن وطن پرست ہوں۔ آئرلینڈ سے تعلیم لی، دنیا کے بیشتر ممالک میں رہا ہوں۔ ہمیشہ اپنے ملک میں انسانی تذلیل کے نظام پر کڑھتا رہا ہوں۔ میرا تعلق سندھ کے علاقے جامشورو سے ہے۔''

سخت چہرے اور سانولے رنگ کے اس نوجوان نے اپنا تعارف کرایا جس نے نقوش کافی حد تک موٹے تھے۔ اور اچھا خاصا صحت مند تھا۔

''میں نعیم الحق ہوں لاہور کے نزدیک ایک گاؤں سے ہوں۔ آئی ٹی انجینئر ہوں۔ میں نے تعلیم تو امریکہ میں حاصل کی ہے لیکن کام اپنے وطن میں کرنا چاہتا ہوں۔ مختلف سوفٹ ویئر بنانے اور ہیک کرنا مجھے آتا ہے۔ یہاں نہ آتا تو چین چلا گیا ہوتا۔''

اس کے دائیں گال پر تل تھا اور شاید مسکراتے رہنا اس کی عادت تھی۔ کافی حد تک فربہ مائل، موٹی موٹی گالوں، غلافی آنکھوں، موٹے اور رسیلے لبوں والی اس لڑکی نے لب وا کئے۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی

''میں مہوش ہوں۔ ابھی حال ہی میں ملائیشیا سے پی ایچ ڈی کی ہے۔ مائیکرو اکنامکس میں بہت آگے تک جانا چاہتی ہوں۔ پنجاب کے شہر

ساہیوال سے میرا تعلق ہے۔''

اس کے ساتھ ہی ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ بہت زیادہ سفید اور سرخ رنگ کی۔ انتہائی سرخ گال، پتلے پتلے ہونٹ اور گہری سیاہ آنکھیں جبکہ اس کے بال بھورے مائل تھے۔ اس نے سب کی طرف دیکھا اور کافی حد تک دھیمی آواز میں کہا۔

''زویا میرا نام ہے۔ اسلام آباد سے تعلق رکھتی ہوں۔ تحقیق و ترقی اور انسانی وسائل میرا شعبہ ہے لیکن کمپیوٹر میرا شوق ہے۔ برطانیہ سے تعلیم لی ہے۔ اب یہیں رہنا ہے۔ بہت کچھ کرنا ہے۔''

خوبصورت اور سٹائلیش، اس کے لباس میں رنگوں کا امتزاج آنکھوں کا بھلا لگ رہا تھا۔ چہرے پر سرخی، سفید رنگت۔ وہ بولی تو اس کی آنکھیں زیادہ باتیں کر رہی تھیں۔

''میں گیت ہوں۔ فیشن ڈیزائنر مگر میڈیا میرا کام ہے۔ میں اتنی مذہبی نہیں ہوں سمجھ لیں کہ سیکولر ہوں۔ کراچی سے ہی تعلق ہے۔''

''میں جمال ہوں، پاکستان کے شہر بہاول پور سے تعلق، مسلمان ہوں۔ لیکن آپ سب جیسا پڑھا لکھا نہیں ہوں۔'' میں نے اپنا تعارف کرایا تو کرنل سرفراز نے سب کی طرف دیکھا اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا

''یہ جتنے بھی شعبے ہیں، ان کے علاوہ یہ سب تربیت یافتہ ہیں۔ پچھلے ایک برس سے یہ سب مختلف جگہوں پر وہی تربیت حاصل کر رہے ہیں، جو تم نے روہی میں حاصل کی ہے۔ ابھی ایک ماہ سے یہ روہی میں تھے۔ انہوں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ جان لیا ہے۔ یہ پچھلے ایک ماہ سے تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ وہ جو تم کرتے رہے ہو۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کے لئے خاموش ہو گئے، ایسے میں ایک نوجوان اندر آ گیا۔ مجھے وہ جانا پہچانا لگا۔ اس پر کرنل نے کہا۔ ''یہ ایک ماہی گیر کے روپ میں ہمارے ساتھ فیری میں آیا ہے۔ سلمان صغیر نام ہے اس کا۔ ہر طرح کے اسلحے اور بلیک مارکیٹ کی پوری معلومات اس پاس ہوتی ہیں، یہ مستونگ بلوچستان سے ہے۔''

سلمان نے سب کی طرف دیکھا اور خوشدلی سے سب کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہم سب کے درمیان اگر کوئی مشترک چیز ہے تو وہ ہے پاکستان، جو ہمارا وطن ہے۔ پاکستان وجود میں آیا، یہ خوش قسمتی ہے، لیکن اس کے ساتھ بدقسمتی یہ ہوئی کہ یہ ان ہاتھوں میں آ گیا جو اس نظریاتی مملکت کے خلاف رہے اور فقط اپنی مرضی کا نظام مسلط کرنے پر پوری طرح ڈٹے ہوئے ہیں۔ اسے ایک فلاحی اسلامی ریاست بننا تھا۔ مگر ہوا کیا؟ یہاں پر کسی نہ کسی صورت میں آمریت مسلط رہی۔ وہ نظام جس کے لئے یہ پاکستان تخلیق ہوا تھا، اب تک خواب ہے۔ یہ سب اسی جاگیرداری نظام کی وجہ سے ہے، جو سفید انگریزوں کے بعد کالے انگریزوں کو منتقل ہوا۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ اس ملک کے سارے ثمرات چند خاندان سمیٹ کر لے جائیں اور انسانی تذلیل کا نظام اس کے عوام پر مسلط کر دیا جائے۔ سینتالیس سے لیکر اب تک حکمرانی کرنے والے جو ادارے ہیں، اسمبلیاں ہیں، ان میں کتنے انہی خاندانوں سے ہیں اور کتنے عوام میں سے۔ اس ملک کی نام نہاد اشرافیہ ہی اس ملک کو کتوں کی مانند بھنبھوڑ رہی ہے۔ انہی کتوں کے باعث کئی گدھ اس ملک کو نوچنے کے لئے رال ٹپکا رہے ہیں، اس کے ساتھ مل کر کئی چوہے اس ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ دیمک زدہ سوچ والے بے غیرت سیاست دان مفاد پرستی کی انتہا کئے ہوئے ملک کو لوٹ رہے ہیں۔ وہی انگریز والا اصول

کہ تقسیم کرو اور حکمرانی کرو، اپنایا ہوا ہے۔ انہوں نے پاکستانی قوم کو لسانیت، مذہبی تفرقہ بازی، صوبائی عصبیت اور اس طرح کے کئی خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ یہ دراصل ان کے بیریئر ہیں، تاکہ عوام انہی میں الجھی رہے اور وہ مزے سے حکمرانی کریں۔ ان سے نکلیں گے تو سوچیں گے۔ لیکن۔ ! ہم نے پاکستان کی حفاظت کرنی ہے۔ یہ کیسے ہوگا، یہ تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو۔ مجھے تم لوگوں کو لیکچر دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''کرنل۔ ! امریکیوں نے ووٹ کے ذریعے یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ کس ملٹی نیشنل کمپنی کو خود حکومت کرنے کی اجازت دے۔ سو اس وقت جمہوریت کا تماشہ یہ ہے کہ اپنے اوپر سرمایہ داروں یا پھر جاگیرداروں کو مسلط کر لیں۔ یہ جمہوریت اور اس کا تماشہ ہم سمجھتے ہیں۔ آپ ہمیں یہ بتائیں، ہمارے کام کرنے کی سمت کیا ہوگی؟'' سب سے پہلے جنید نے پوچھا

''اس وقت بیرونی طاقتیں پوری طرح پاکستان کو کمزور نہیں ختم کرنے کے درپے ہیں۔ ہندو کی سازش سے ہمارا ایک بازو کٹ گیا۔ لیکن ایٹمی طاقت سے زورِ حیدری ہمیں عطا ہو گیا۔ پاکستان پہلا اسلامی ملک ہے جس نے یہ قوت حاصل کی۔ جس دن اس طاقت کا اعلان کیا تھا، اسی دن سے امریکن اس کی مخالفت میں لگے ہوئے کہ یہ قوت ان سے چھین لی جائے۔ اور وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ہم سے یہ طاقت چھین نہیں لی جاتی۔ شاید دنیا کو ابھی معلوم نہیں کہ ہم زندہ قوم ہیں۔ اگر بے غیرت اور نام نہاد اشرافیہ اس ملک کو کمزور کرنے کے درپے ہیں، بیرونی ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، اپنے مفادات کے لئے ملک سے کھیل رہے ہیں تو یہاں غیور اور غیرت مند لوگ بھی ہیں جو اپنے ملک کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ ہم نے ہر اس قوت سے لڑنا ہے، اسے ختم کرنا ہے جو ہمارے ملک کو نقصان پہنچا رہی ہے اور اس ملک کے لئے وہ کچھ کرنا جو یہاں وہی نظام لے آئے جس مقصد کے لئے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔ تاکہ یہ وہی اسلامی فلاحی ریاست بن سکے، جس کا نمونہ حضرت عمرؓ نے ہمیں دے دیا ہوا ہے۔ ہمارا نعرہ ہوگا۔ پاکستان کا مقصد کیا، محمد رسول اللہ ﷺ۔''

''کرنل۔ ! میں سمجھ گیا کہ آپ مجھے ممبئی سے یہاں کیوں لائے ہیں۔ ہمیں حکم دیں تاکہ ہم ابھی سے اس پر عمل کریں۔'' میں نے پورے جذب سے کہا

''نہیں۔ ! مجھے حکم نہیں دینا، یہ سب تم لوگ خود طے کرو گے۔ آج اور ابھی سے یہ سب تمہارے ساتھی ہیں۔ اور تم انہیں لیڈ کرو گے۔ تم لوگوں کا رابطہ وہی سے رہے گا۔ میں تم سب کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔'' کرنل سرفراز نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا اور اٹھ گیا۔

یہ وہ لمحہ تھا، جب میں اس بھاری ذمہ داری کے لئے پوری جان سے لرز گیا۔ یہ لرزا کسی خوف سے نہیں تھا، بلکہ وہ سرخوشی تھی کہ میں بھی کسی مقصد کے لئے چن لیا گیا ہوں۔ میں نے سب کی طرف دیکھا، تو مسکرا دیا۔ انہوں ایک جاندار اور بااعتماد مسکراہٹ مجھے دی تو میں سرشار ہو گیا۔ مقصد واضح تھا۔

☆......☆......☆

جسپال اور رونیت نے پیتل کا وہ گڑوا میز پر رکھ دیا، جس کا منہ سرخ کپڑے سے بندھا ہوا تھا۔ اس میں پروفیسر کی راکھ اور ان جلے ناخن تھے، جسے وہ ''پھول یا استھیاں'' کہتے ہیں۔ میز کی دوسری طرف پروفیسر کی بیوی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ اگرچہ ایک عورت ہونے کے ناطے رونیت کو اس کا دکھ سمجھ سکتی تھی لیکن اسے یہ حیرت ضرور تھی اس کی آنکھ سے ایک قطرہ بھی آنسو کا نہیں بہا تھا۔ وہ چند لمحے 'استھیاں' والے

گرنتھ کو دیکھتی رہی، پھر ہولے سے بولی

”رونیت پتر۔! اسے سٹڈی روم میں رکھ آؤ۔ پھر آ کر میری بات سنو۔“

”جی بہتر۔“ رونیت کور نے فرمانبرداری سے کہا اور برتن اٹھا کر سٹڈی روم کی جانب چلی گئی۔ پروفیسر کی بیوی اٹھی اور وہ بھی اندر کی جانب چلی گئی۔ جسپال وہاں اکیلا رہ گیا۔ وہ خود پروفیسر کی بیوی کے رویے پر حیران تھا۔ اس وقت اس کی حیرت مزید بڑھ گئی جب اس نے ناشتے کی ٹرے لا کر میز پر رکھ دی۔ اتنے میں رونیت کور بھی واپس آ گئی تھی۔ اس نے بھی حیرت سے دیکھا۔ پروفیسر کی بیوی نے ناشتہ رکھا فریج میں سے پانی کی بوتل نکال کر رکھی، پھر بیٹھتے ہوئے بولی،

”آؤ، پترو، پرشادے شکھ لو تم لوگوں نے رات کا کچھ نہیں کھایا۔“

”ابھی دل نہیں کر رہا، میں بعد.....“ رونیت نے کہنا چاہا تو وہ بولی

”کب تک پتر، کب تک کچھ نہیں کھاؤ گی۔ آؤ، ناشتہ کرو، پھر کچھ دوسرے کام بھی کرنے ہیں۔“ اس نے مضبوط لہجے میں کہا تو وہ تینوں ناشتہ کرنے لگے۔ اس وقت وہ ناشتہ کر کے چائے پی رہے تھے کہ ہاکھ بھیت سنگھ، گرلین کور، اور دوسرے جو سات تھے، وہیں آ گئے۔ ان سے چند لمحے بعد سندو بھی آ گیا۔ سب خاموش تھے لیکن ان کی آنکھیں بتا رہیں تھیں کہ ان میں سے شعلے اٹھ رہے ہیں۔ تبھی پروفیسر کی بیوی استھیوں والا برتن لے کر آئی، اس نے وہ درمیان میں پڑی ہوئی میز پر رکھا اور پھر ایک طرف صوفے پر بیٹھ کر سب کی طرف دیکھا۔ سب کی آنکھیں اشک بار تھیں، سوائے جسپال کے۔ وہ ان سب کو دیکھ رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ ان کی پروفیسر کے ساتھ جذباتی وابستگی کس حد تک ہے۔ چند لمحے یونہی خاموشی میں گذر گئے، تبھی پروفیسر کی بیوی نے اپنے پلّو سے بندھا ہوا ایک کاغذ نکالا اور رونیت کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی

”اس پڑھ کر سب کو سنا دے پتر۔ یہ خط مجھے انہوں نے دو دن پہلے دیا تھا اور ساری بات سمجھا دی تھی۔“

رونیت کور نے وہ خط پکڑ کر کھولا اور پڑھنے لگی۔ وہ سب یوں متوجہ ہو گئے جیسے گرنتھ صاحب کی کوئی ”بانی“ پڑھی جانے والی ہو۔

”میرے بیٹوں اور بیٹیوں۔! مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرا آخری وقت آ گیا ہے۔ مجھے اگر کسی نے گولی نہ ماری تو میں ان دھمکیوں کے دباؤ میں مر جاؤں گا جو مجھے دی جا رہی ہیں۔ میرا یہ خط تم لوگوں کو اس وقت ملے گا جب میں نہیں ہوں گا۔ مجھے یہ یقین ہے کہ میرے انتم سنسکار کے بعد تم لوگوں کو جس پر ذرا سا بھی شک ہوا تم اسے مار دو گے یا خود مر جاؤ گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ تم لوگوں کے پاس دو راستے ہیں۔ نمبر ایک۔ خاموشی سے چپ چاپ اپنی دنیا میں کھو جاؤ۔ یہ بھول جانا کہ کسی پروفیسر نے تم لوگوں کو پالا پوسا اور پروان چڑھایا تھا۔ اپنی زندگی جیو۔ نمبر دو۔ انتقام لو، لیکن وہ ذاتی نہ ہو، ہم نے دھرم کے نام پر اپنی زندگی وقف کی ہے۔ اور دھرم ہی کے لئے کام کرنا ہے۔ تم لوگ جتھا بنا کر دھرم کے لئے ایک جٹ کام کرو گے، تو سمجھو میری آتما شانت رہے گی۔ میں سمجھوں کا میرا مشن آگے بڑھا ہے۔ اپنا ایک لیڈر چن کر اس کی تابعداری کسی گرو کی مانند کرنا۔ اسی میں تم لوگوں کی فتح ہے۔ ان دو راستوں کے علاوہ اگر کوئی اور بات کسی کے ذہن میں ہے تو وہ میری استھیوں کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ آگے جو کچھ کرنا ہے وہ تمہارا لیڈر یا گرو تمہیں بتا دے گا۔ واہگرو جی کا خالصہ، واہگرو جی کی فتح۔“ ایک دم سے خاموشی چھا گئی تھی۔ کتنی دیر تک کوئی نہیں بولا۔ آخر

رونیت کور ہی نے کہا،''بولو، کیا کہتے ہو، میں نے تو دوسرا راستہ چن لیا ہے۔ جسے پہلا راستہ پسند ہے، وہ ابھی جا سکتا ہے، اس پر کوئی گلہ نہیں ہوگا۔''

''دھرم کو کون چھوڑ سکتا ہے رونیت۔ ہمارا جینا مرنا اسی کے لئے ہے۔'' ابھیت نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا اور اپنا ہاتھ استھیوں والے گڑوے پر رکھ دیا۔ اگلے چند لمحوں میں سبھی نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ایک طرح سے حلف دے دیا۔''قسم ہے مجھے اپنے گرو کی جو بھی اب ہمارا گرو ہوگا، اس کا حکم ہم پر فرض ہے۔''

سبھی نے اس کے ساتھ اونچی آواز میں دہرا دیا۔ وہ قسم دے کر اپنی اپنی جگہ پر جا بیٹھے تو چند لمحے بعد پروفیسر کی بیوی نے کہا

''پتر۔! یہ استھیاں اب تم لوگوں کے حوالے جب وقت ملے تو اسے فتح گڑھ صاحب لے جا کر جل پروا کر دینا۔''

''نہیں آپ ہمارے ساتھ جائیں گیں۔'' رونیت نے تیزی سے کہا۔

''وہ تم جب جاؤ اور ہو سکے تو مجھے بھی لے جانا۔'' یہ کہہ کر وہ ان کے درمیان سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

''دیکھو۔! اب ہم نے اپنا لیڈر چننا ہے، یہ کیسے ہوگا، اگر گرو جی کوئی اشارہ دے جاتے تو ...'' ابھیت نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ تبھی اب تک خاموش بیٹھا ہوا ہرپال بولا

''ایک حل تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر بندہ اس شوٹر کو تلاش کرے جس نے پروفیسر پر گولی چلائی، جو پہلے تلاش کر لے گا، وہی لیڈر۔''

''یہ ٹھیک نہیں، اس کا مطلب ہے ہر بندہ لیڈر بننے کی خواہش لے کر نکلے گا۔ ایسا نہیں۔ میرے خیال میں ہر بندہ ایک کاغذ لے اور اس پر اپنے سوا اس کا نام لکھے، جسے وہ لیڈر مان سکتا ہے۔ جسے زیادہ مانیں گے، وہی لیڈر ہوگا۔'' ابھیت سنگھ نے گہری سنجیدگی سے کہا تو سبھی مان گئے۔ رونیت کاغذ لے آئی۔ کچھ دیر بعد چھ لوگوں کی طرف سے جسپال کا نام آیا تو وہ چونک گیا۔

''ہم تمہیں اپنا لیڈر مانتے ہیں۔'' ہرپال نے کہا

''وجہ۔ میں تو تم لوگوں کے درمیان ....'' اس نے کہنا چاہا تو ابھیت بولا

''کم از کم میں اپنے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ میں نے تم میں وہ دیکھا ہے، جو کم از کم ہم میں نہیں۔''

''تمہیں ماننا ہوگا۔'' رونیت نے کہا

''یہ بحث نہیں ہے، میں ایک جگہ ٹھہر نہیں سکتا۔ یہ تو وہ ہو جو ایک جگہ ٹھہر کر تم لوگوں کی لیڈ کر سکے۔ اگر میں کہوں کہ سندیپ کو لیڈر بنا تو۔ یہ بہتر رہے گا۔'' جسپال نے کہا تو سندو بولا

''میں کیسے، میں تو....''

''فی الحال تو یہ ذمہ داری لو، پھر بعد میں دیکھیں گے۔'' جسپال نے کہا تو ابھیت سنگھ نے اسی وقت استھیوں والے گڑوے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

''میں قسم کھاتا ہوں کہ میں تمہارا وفادار رہوں گا اور سکھ دھرم کے لئے جان بھی دینی پڑی تو دوں گا۔''

اس کے بعد سبھی نے یہی عمل دہرایا تو سندو کے لئے مزید کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہ رہی۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر بڑے ہی گھمبیر لہجے میں بولا۔

"تو پھر سنو۔! ہم آج ہی چندی گڑھ چھوڑ دیں گے، مگر ہمارے کان اور آنکھیں ادھر ہی رہیں گے۔ کرتار پور صاحب میں استھیاں جل پروا (راکھ پانی کی نذر) کرنے کے بعد ہمارا ٹھکانہ کون سا ہوگا، یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ فوراً نکلنے کی تیاری کی جائے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ سب باہر جانے لگے۔

جسپال رونیت کور کے اپارٹمنٹ میں چلا گیا۔ رونیت کور تیزی سے سامان کے نام پر اپنے کپڑے اور لیپ ٹاپ کے ساتھ کچھ دیگر الیکٹرانکس کی چیزیں اٹھا رہی تھی۔ وہ بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ وہ تیار ہو چکی تو جسپال نے پوچھا

"چلیں۔"

"او کے۔" رونیت نے سرہلاتے ہوئے کہا۔ وہ چند لمحے ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے رہے، تبھی رونیت ایک دم سے پلٹ گئی۔ اس نے بیگ اٹھایا، اور جسپال کے ساتھ باہر نکل گئی۔ پروفیسر کی بیوی اس کے انتظار میں تھی۔

کرتار پور تک کوئی ایسا واقعہ سامنے نہیں آیا جس سے انہیں شک ہو کہ دشمن ان کے پیچھے ہے۔ وہ چار گاڑیوں میں کرتار پور صاحب کے گردوارے جا پہنچے۔ انہوں نے پہلے جا کر ماتھا ٹیکا اور پھر پروفیسر کی استھیاں قریب بہتے ہوئے دریا ستلج میں بہا دیں۔ جل پروا رسم کے بعد سندیپ عرف سندو بیسب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"اب ہم واپس چندی گڑھ نہیں جائیں گے۔ ہمارا ٹھکانہ اب جالندھر ہوگا۔ یہاں سے ہر بندہ اکیلا اکیلا نکلے گا، اور مختلف وقت میں جالندھر پہنچے گا۔ اگر اس وقت دشمن ہماری تاک میں ہے تو اسے لگے کہ ہم جالندھر میں گم ہو گئے ہیں، یا یہیں سے کہیں دوسری طرف نکل گئے ہیں۔ سمجھو جالندھر ہی میں دشمن کی نگاہوں سے اوجھل ہونا ہے۔ کہاں ملنا ہے، یہ میں تمہیں ایس ایم ایس کر دوں گا۔" یہ کہہ کر وہ اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔

رونیت کار چلا رہی تھی۔ جسپال پچھلی نشست پر اور پروفیسر کی بیوی اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔ اس کی سندو سے بات ہو چکی تھی اور جالندھر بالکل نزدیک آ گیا۔ تبھی اس نے ایک دم سے فیصلہ کرتے ہوئے کہا

"رونیت، میں جس مقصد کے لئے چندی گڑھ گیا تھا، وہ تو ہو چکا۔ وقت آ گیا ہے کہ مجھے اب جانا ہوگا۔"

اس پر رونیت کور نے شدت حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تیزی سے کہا

"تم اکیلے کون ہوتے ہو یہ فیصلہ کرنے والے؟ ہم تمہیں اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ اپنا لیڈر مان رہے ہیں، اب جبکہ وقت آ گیا ہے تو ہمیں چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہو؟ تم نہیں جا سکتے۔"

"میں تم لوگوں سے الگ نہیں ہو رہا ہوں، بلکہ جہاں کہیں بھی ہوں گا تم لوگوں سے جڑا رہوں گا، ایسی ہی توقع میں تم لوگوں سے بھی رکھوں گا۔ اب مجھے یہاں سے جانا ہوگا۔" اس نے عام سے لہجے میں کہا

''میں تمہیں روک نہیں سکتی۔ لیکن اگر تم ہمارے ساتھ رہو تو یہ زیادہ اچھا ہوگا۔'' وہ بے بسی سے بولی

''تم مجھے اپنے قریب ہی پاؤ گی۔'' جسپال نے کہا تو وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی

''تمہیں یہ بات اب سندو کو بتانا چاہئے۔''

''او کے۔'' میں نے کہا اور سندو کو فون ملا دیا۔

☆ ☆ ☆

کراچی شہر پر شام ڈھل کر رات اتر آئی تھی۔ ہم سبھی کلفٹن کے اس بنگلے میں تھے جو گیت کا تھا۔ ہم سب ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں ملجگا اندھیرا تھا۔ سامنے سفید اسکرین تھی، جس کے پاس گیت کسی لیکچرار کی طرح کھڑی ناپ ناپ پر کچھ دکھانے کو تیار تھی۔ اس نے بٹن پریس کیا اور اسکرین کی جانب دیکھنے لگی۔ اسکرین پر ایک کچی بستی کے منظر نمودار ہوئے۔ ایک مکان کی چھت پر لوگ ٹولیوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کے ہاتھ میں تاش کے پتے تھے۔ پاس ہی نوٹ پڑے ہوئے تھے۔ وہ سب ''تین پتہ'' پر جوا کھیل رہے تھے۔ منظر بدلا تو ایک کمرے کا منظر دکھائی دینے لگا، اس میں ''چھکا'' پر جوا کھیلا جا رہا تھا۔ تبھی وہ فلم روک بولی۔

''یہ صرف ایک علاقے کا منظر نہیں ہے، یہ جوا کراچی کے غریب علاقوں میں کینسر کی طرح پھیل رہا ہے۔ لاکھوں نہیں کروڑوں روپے روزانہ ادھر سے ادھر ہوتے ہیں۔ اب دوسرا منظر دیکھیں۔'' اس منظر میں لوگ پرچیاں لے رہے تھے۔ شہر کے مختلف علاقوں کی یکے بعد دیگرے کئی تصویریں سامنے لائی گئیں، تبھی اس نے کہا ''یہ سٹہ کھیلا جا رہا ہے۔ پرائز بانڈ کے نام پر پرچیاں دی جاتی ہیں اور کروڑوں روپے لگائے جاتے ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی منظر بدلا اور ایک شخص کو دکھایا گیا جو فون پر بات کر رہا تھا۔ وہ ساتھ میں تیزی سے لکھ بھی رہا تھا۔ اس کے پاس کمپیوٹر آپریٹر تھے، جو اس میں فیڈ کرتے چلے جا رہا تھے۔ ''یہ کرکٹ پر جوا کھیلا جا رہا ہے۔ یہ کام اب زیادہ بڑھ کر دوسری کھیلوں پر بھی ہونے لگا ہے۔ اس میں بات کروڑوں سے بھی اوپر تک چلی گئی ہوئی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کے لئے رکی اور پھر بولی، ''آپ یہ سوال ضرور کریں گے، یہ میری نظر میں آ سکتا ہے، اور عوامی سطح پر چل رہا ہے اور عوام دیکھ رہی تو کیا پولیس سوئی پڑی ہے جو اس جرم کو نہیں دیکھ رہی؟ تو میرا جواب یہ ہوگا کہ نہیں پولیس سوئی ہوئی نہیں ہے، وہ جاگ رہی ہے اور پوری طرح اس دھندے میں ملوث ہے۔ یہ دیکھیں یہ پولیس کا ادنیٰ سا ملازم ہے، ساجد نام ہی اس کا۔'' اسکرین پر ایک بھاری بھرکم شخص کی کا چہرہ ابھرا، جس پر خاصی کرختگی تھی۔ ''یہ ادنیٰ سا ملازم اس جوئے کی دیکھ بھال پر مامور ہے خود اپنی نگرانی میں کرواتا ہے۔ لیکن یہ اس قدر طاقت ور آدمی سمجھا جاتا ہے کہ جس علاقے سے چاہے اپنی مرضی سے پولیس افیسر آن کو تبدیل کروا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسے یہ طاقت کس نے دی؟''

''ظاہر ہے یہ مافیا ہوگا، اور یہ ادنیٰ ملازم ایک مہرہ جو عوام کے سامنے ہے۔'' اکبر علی نے کہا

''بالکل ٹھیک کہا، اس کی سرپرستی یہ ایم این اے کر رہا ہے۔ جس کا تمام تر خرچ یہ ساجد نامی آدمی اٹھا رہا ہے۔ یہ معاملہ یہیں تک نہیں رکتا، یہ چند سیاسی لوگوں کو ایک کمپنی اپنی مرضی سے چلا رہی ہے۔ جو بظاہر کرنسی کا کام کرتی ہے۔ زمینی سطح سے اٹھایا جانے والا سارا سرمایہ یہاں تک آ کر پہنچتا ہے اور پھر یہی لوگ ہنڈی کے ذریعے سرمایہ باہر منتقل کر رہے ہیں۔ اور اس کے عوض باہر سے اسلحہ اور منشیات یہاں پہنچ رہی ہیں۔ اس مافیا کو

چلانے والے کچھ لوگ دوبئی میں ہیں اور کچھ دوسرے ممالک میں۔ انہی کے ہاتھ میں یہاں کی ڈوریں ہیں۔ وہ جب چاہیں یہاں کے حالات خراب کر دیں اور جب چاہیں امن اور سکون رہے۔'' گیت یہ کہہ کر خاموش ہوگئی تو اکبر علی نے پوچھا

''ان کے تو دوسرے ذرائع بھی ہوں گے؟''

''بالکل ہیں، لیکن ابھی میں انہیں چھیڑنا نہیں چاہتی، میں یہاں آپ کو پلان یہ دے رہی ہوں کہ یہی منی ایکس چینج والی کمپنی درمیانی پل کا کام دے رہی ہے۔ یہیں سے اگر ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں تو چھپے ہوئے لوگ سامنے آتے چلے جائیں گے جو اس سارے دھندے میں ملوث ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کو پیغام دینا ہے۔'' گیت نے جذباتی انداز میں اپنی بات کہی

''گیت۔! یہ وقتی طور پر ہوگا۔ یہ پھر شروع ہو جائے گا۔ جب تک عوام خود جوا کھیلنا نہیں چھوڑے گی۔'' جنید نے اپنی رائے دی۔

''زمینی سطح پر اگر جوا کھیلنے کے مواقع نہیں رہیں گے تو یہ کم ضرور ہو جائے گا، لیکن اس سے ہمیں طاقت مل جائے گی۔'' سلمان نے کہا

''بے شک ایسا ہی ہے، لیکن آپ ایک خوف مسلط کر سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی کوشش سے غرض ہے۔ نتیجہ ہم خدا پر چھوڑتے ہیں۔ ہدایت تو اس کے ہاتھ میں ہے نا۔'' فہیم نے تائید کی۔

''پلان کیا ہے؟'' میں نے پوچھا تو گیت نے اسکرین کی مدد سے پورا پلان اور اس کی تمام تر جزئیات بتا دیں۔ کچھ سوال جواب ہوئے۔ سب متفق ہونے کے ساتھ اپنی اپنی ذمے داری لے لی۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ تبھی جنید نے ایک بیگ سے کافی سارے سیل فون نکال کر میز پر رکھ دیئے۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولا

''یہ عام سے دکھائی دینے والے سیل فون عام نہیں بلکہ خاص ہیں۔ میں نے اس سیل فون میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ یہ کسی جگہ بھی ٹریس نہیں ہو سکتے۔ صرف ایک بٹن دبانے سے یہ عام سیل فون بن جائے گا۔''

''واؤ۔! امیزنگ، بلیک مارکیٹ میں ابھی اس کی بازگشت تو ہے لیکن آیا نہیں۔'' سلمان نے حیرت سے کہا

''میری پٹاری میں اور بہت کچھ ہے۔ جو تمہیں بلیک مارکیٹ میں سے بھی نہیں ملے گا۔ اس کے علاوہ میرے ذہن میں بہت کچھ ہے۔ اب فہیم اور زویا سے مل کر کوشش کروں گا۔ فی الحال یہ تو کریں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تو سب تیار ہو گئے۔ میں ان کے ساتھ جانے لگا تو سلمان نے تیزی سے کہا

''نہیں آپ ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے۔ ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ یہ کام ہمارے لئے کس قدر معمولی سا ہے۔ یہاں رہ کر آپ ہمیں پل پل محسوس کر سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''بس دیکھتے جائیں۔'' زویا نے کہا تو میں وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔ زویا کو وہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔

ایک گھنٹے بعد جنید، اکبر علی اور مہوش ایک گاڑی میں وہاں سے نکل چکے تھے۔ زویا اسی اسکرین پر لیپ ٹاپ کی شبیہ دکھانے لگی جہاں

گیت نے مناظر دکھائے تھے۔ ان کی تصویر تو میں نہیں دیکھ پا رہا تھا مگر ان کی آوازیں مجھے سنائی دے رہی تھیں۔ ان کی حرکات وسکنات چھوٹے چھوٹے رنگین دائروں کی صورت میں سامنے اسکرین پر واضح تھے۔

جنید، اکبر علی اور مہوش، اس کئی منزلہ عمارت کے سامنے جا رکے۔ جہاں اس منی ایکس چینج کا مرکزی آفس تھا۔ وہ تینوں لفٹ کے ذریعے اس فلور پر چلے گئے۔ لفٹ سے نکلتے ہی ان کی تلاشی لی گئی۔ ان کے پاس سے کوئی ہتھیار نہیں اکلا سامنے ہی ڈیسک تھا۔ وہاں ایک خوبصورت لڑکی ان کی طرف متوجہ تھی۔

''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔''

''ہمیں یہاں کے ذمے دار بندے سے ملواؤ، ہمیں معلوم ہے کہ مالک یہاں نہیں ہوتا۔'' جنید نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ اس پر لڑکی نے حیرت اور پریشانی میں ان تینوں کو دیکھا، پھر فون پر کسی سے وہی بات دہرا دی، جو انہوں نے کہی تھی۔

''آپ ذرا انتظار کریں۔ رضوی صاحب بزی ہیں۔ وہ ابھی آپ سے ملتے ہیں۔''

''ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ یہیں فون پر بات کروا دو۔'' جنید نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا تو اس نے فون ملا کر پھر بات کی اور ریسور اس کی جانب بڑھا دیا

''ہیلو۔! کون بات کرنا چاہتا ہے؟'' رضوی نے پوچھا

''میں جنید ہوں۔ تمہیں نام سے نہیں کام سے غرض ہونی چاہئے۔ ایک دس کروڑ کی ڈیل ہے، کرنا چاہتے ہو تو ابھی مل لو، ورنہ ہم کسی دوسرے سے مل لیتے ہیں۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔''

''کیسی ڈیل؟'' رضوی نے پوچھا

''کیا فون پر ہی بات کرو گے یا سامنے بھی آؤ گے۔ اگر تمہارا رویہ ایسا ہی ہے تو ہم چلے جاتے ہیں۔'' جنید نے غصے بھرے لہجے میں کہا تو دوسری طرف سے کہا گیا

''نہیں نہیں، آپ آؤ۔ میں انہیں کہتا ہوں وہ لے کے آتے ہیں۔''

ایک بار پھر ان کی تلاشی لی گئی اور انہیں رضوی کے آفس میں پہنچا دیا۔ وہ آدھے سے زیادہ گنجے سر والا تھا، موٹے نقش اور فربہ مائل ڈھیلی پتلون اس نے گیلس سے باندھی ہوئی تھی۔ اس نے کاروباری مسکراہٹ سے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''کیا ہے دس کروڑ کی ڈیل؟''

مہوش نے اپنا لیپ ٹاپ اس کے لیپ ٹاپ کے پاس رکھ دیا۔ تب تک جنید نے کہا

''بلیک منی، دس کروڑ ہے، برطانیہ یا فرانس میں دینی ہے، کیا لو گے؟ اور ہاں رقم کہیں سے لینی ہوگی۔''

''ایک کروڑ، سیدھا حساب ہے۔'' رضوی نے سنجیدگی سے کہا

''ڈن، کرنسی کیسے لو گے، اپنے بندے بھیجو گے یا ہم ادھر ٹھہریں۔ دوسری طرف رقم کب پہنچے گی؟'' جنید نے تیزی سے کہا

''رقم کہاں سے لینی ہے؟''

''ہوٹل فائن سے۔ وہاں ہمارا ایک بندہ موجود ہے، یہاں سے نزدیک ہی ہے۔''

''او کے آپ ان کے ساتھ چلے جائیں اور رقم دے دیں۔ رقم ملتے ہی دس منٹ بعد دوسری طرف پہنچ جائے گی۔ ادھر کا پتہ کیا ہے۔''

''میں بتاتی ہوں۔'' مہوش نے کہا اور تیزی سے لیپ ٹاپ کھول لیا۔ ذرا سی دیر بعد اس نے پوچھا۔ آپکا ای میل پلیز تاکہ میں ساری معلومات آپ کو دے دوں؟'' رضوی نے ای میل بتا دیا۔ مہوش نے تیزی سے لیپ ٹاپ پر کام کرتی رہی۔ پھر دو منٹ بعد بولی'' آپ دیکھ لیں معلومات آپ کو مل گئیں؟''

رضوی نے اپنے لیپ ٹاپ پر نگاہ دوڑائی۔ میل دیکھی اور کنفرم کر دی۔ وہ تینوں اٹھ گئے۔

''میں ایک گھنٹے تک آپ کے لوگوں کا ہوٹل فائن میں انتظار کروں گا۔'' جنید نے کہا اور چل دیا باقی دونوں بھی اس کے پیچھے چل دیئے۔ مہوش نے وہاں کا ساری معلومات اپنے پاس ٹرانسفر کر لیں تھیں۔

دوسری میں سلمان، فہیم اور گیت تھے۔ ان کا رخ چنیر روڈ کی طرف تھا جہاں وہ منی ایکس چینج کا مرکزی دفتر تھا۔ اس کے ساتھ ملحقہ ایک دو منزلہ عمارت تھی۔ جہاں سارا کالا دھن لیا اور دیا جاتا تھا۔ وہ عمارت پوری طرح روشن تھی۔ اگر گیت نے اس عمارت کی جزئیات نہ بتائیں ہوتیں تو پہلی نگاہ میں یہی لگتا تھا کہ اجازت کے بغیر اس عمارت میں گھسنا، ناممکن تھا۔ فہیم گاڑی میں بیٹھا رہا۔ سلمان بڑے اعتماد سے نیچے اترا اور اس نے وہ فرضی نام بتایا جو وہ کمپیوٹر سے دیکھ چکے تھے۔ ضروری کاروائی اور تلاشی کے بعد انہیں اندر جانے کی اجازت دے دی گئی۔ ان کی کار وہیں روک لی گئی تھی اس لئے وہ تینوں پیدل چلتے ہوئے اس دفتر تک جا پہنچے۔ انہیں معلوم تھا کہ اعجاز صدیقی اپنے دفتر میں ہے، جو ساری رقم کا حساب کتاب رکھتا ہے۔ فہیم اس کا سب کچھ ہیک کر چکا تھا۔ عملے کے باقی لوگ اس کے دفتر سے ملحقہ ایک ہال میں تھے۔ اس وقت وہاں صرف چار لوگ موجود تھے۔

''جی، بولیں، آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟'' صدیقی نے تیزی سے اکتائے ہوئے لہجے میں یوں کہا جیسے اس کے پاس وقت نہ ہو

''ہم یہاں سے رقم لوٹنے آئے ہیں۔ روک سکتے ہو تو روک لو۔'' گیت نے دھیمے مگر سرد لہجے میں کہا تو صدیقی ان کی طرف یوں دیکھنے لگا کہ جیسے وہ دونوں کسی دوسرے جہان کی مخلوق ہوں۔ پھر مسکراتے ہوئے بولا

''پاگل ہو یا کسی دوسرے جہان کی مخلوق۔ ایک منٹ سے پہلے تم پکڑے جاؤ گے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے پاؤں کے نیچے لگا الارم کا بٹن دبا دیا۔ کہیں بھی کچھ نہیں ہوا تو وہ ایک دم سے پریشان ہو گیا۔

''تمہارا یہاں کا سارا انتظام ہم جام کر چکے ہیں۔ تم کچھ بھی کر لو، کچھ نہیں ہو گا۔ سامنے دیکھو، باہر لگے کیمرے اور تمہاری یہ اسکرین تاریک ہے، کسی کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے، باہر والوں کے لئے اندر سب سکون ہے۔ یہ کہتے ہوئے سلمان نے اس کے دراز میں پڑا پسٹل نکالا، اس کا میگزین دیکھا، پھر صدیقی پر فائر کرنے کے لئے سیدھا کیا۔

''تمہارا پسٹل اور اب تم، کہو کیا کہتے ہو؟''

''مجھے مت مارو، تم جو چاہے یہاں سے لے جا سکتے ہو، میں کوئی مزاحمت نہیں کرتا۔'' صدیقی نے دہشت زدہ لہجے میں کہا

''اس دیوار گیر الماری کا نمبر بھی نہیں دو گے، جس میں کرنسی موجود ہے؟'' سلمان نے کہا

''یہ... یہ... لو۔'' اس نے سامنے رکھے کاغذ پر نمبر لکھ دیا۔ تب سلمان نے اسے گولی مارنے کی بجائے پسٹل کا دستہ زور سے اس کے سر پر مار دیا۔ وہ پہلے ہی دہشت زدہ تھا اگلے ہی لمحے وہ ڈھیر ہو گیا۔

گیت اور سلمان دونوں محتاط انداز میں باہر کی جانب لپکے۔ سامنے دو گارڈ پہرہ دے رہے تھے۔ دونوں کو گیت نے نشانے پر لیا تو سلمان نے پلٹ گیا۔ اس نے دیوار گیر الماری کو کھولا تو اندر سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔ اس نے پہلے میز سے اٹھائیں ہوئیں کچھ چیزیں اندر پھینکیں۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ لیزر شعاعیں ختم ہو گئی ہوئیں ہیں یا نہیں۔ لیزر شعاعیں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ تیزی سے نیچے پہنچا۔ ہر طرف کرنسی نوٹ کی گڈیاں اوپر سے نیچے تک لگی ہوئیں تھیں۔ سلمان تیزی سے کرنسی نوٹوں کو بیگوں میں بھرنے لگا۔

اس دوران جنید، اکبر اور مہوش وہاں پہنچ چکے تھے۔ جیسے ہی اندر سے انہیں کہا گیا کہ رقم کے تھیلے تیار ہیں۔ اسی وقت انہوں نے اپنے ہتھیار سنبھالے اور گیٹ پر جا پہنچے۔ انہیں دیکھتے ہی سیکورٹی گارڈ الرٹ ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاں جا کر بات کرتے، انہوں نے سائیلنسر لگے پسٹل سے فائر کر دیئے۔ ٹھک ٹھک کی آواز آئی اور وہاں موجود بندے زمین پر آ رہے۔ وہ تیزی سے اندر چلے گئے۔ ان کی راہ میں جو بھی آیا، وہ انہیں ڈھیر کرتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ صدیقی کے کمرے تک جا پہنچے۔ ہال میں موجود لوگ باہر کی صورت حال سے بالکل بے خبر تھے۔ وہ جیسے ہی ہال میں گئے تب انہیں پتہ چلا کہ باہر تو صورت حال ہی بدل چکی ہے۔ ایک بوڑھے آدمی نے فوراً اپنے ہاتھ سر پر رکھ لئے، باقیوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ مہوش نے انہیں ایک جگہ اکٹھے ہو جانے کو کہا۔ وہ کونے میں لگ گئے۔ اس دوران وہ اپنے بیگ سے سپرے کی بوتل نکال چکی تھی۔ وہ اس نے وقفے وقفے سے دو تین بار ان پر چھڑکا تو بے ہوش ہوتے چلے گئے۔ ان کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد وہ صدیقی کے کمرے میں آئے۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ مہوش نے اس کے منہ پر چھڑکاؤ کر دیا۔ جنید اکبر نیچے جا چکے تھے، جبکہ گیت اور مہوش باہر نگاہ رکھے ہوئے تھیں۔ جیسے نکلنے کا راستہ صاف ہو چکا، فہیم اپنی فور وہیل اندر لے گیا۔ ذرا سی دیر میں وہ سولہ تھیلے انہوں نے فور وہیل میں رکھے اور باہر آ گئے۔ جنید اور مہوش دوسری کار میں بیٹھے اور وہ سب وہاں سے نکل پڑے۔

ٹیپو روڈ سے کلفٹن تک کا راستہ زیادہ سے زیادہ آدھے یا پون گھنٹے کا تھا۔ اگر اس میں ٹریفک نہ ہو تو وہ باآسانی اتنے وقت میں پہنچ سکتے تھے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ وہاں سے نکلے اور چل پڑے تھے۔ دونوں گاڑیاں دو نقطوں کی صورت میں حرکت کر رہی تھیں۔ میرے بدن میں سنسنی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ یہی راستہ ان کے لئے خطرناک تھا۔ جبکہ وہ آگے پیچھے گاڑیاں دوڑاتے ہوئے آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ٹریفک اشارے پر رک بھی جاتے تھے۔ زویا نے شاید میری توجہ بٹانے کے لئے بتایا

''ان دونوں عمارتوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ سیکورٹی کے لحاظ سے۔ اگر ایک میں کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو دوسری میں فوراً پتہ چل جاتا ہے

۔اسی لئے انہیں دونوں طرف جانا پڑا۔اس وقت وہ دونوں عمارتیں فہیم کی مرضی پر ہیں ۔ وہ جیسے ہی ادھر یہاں پہنچیں گے ۔ تبھی انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔،مطلب ان کا سارا انتظام معمول کے مطابق کام کرے گا،تب انہیں پتہ چلے گا کہ کیا ہو گیا ہے۔''

اس کے بتانے پر میں نے ایک طویل سانس لی۔ سامنے اسکرین سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ اب تیزی سے قریب پہنچ رہے ہیں۔تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ سب اسی کمرے میں تھے اور ساری بات بتا چکے تھے۔

''تو یہ مشن چند گھنٹوں میں ختم ہو گیا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو اکبر نے تیزی سے کہا

''نہیں، یہ مشن اب شروع ہوا ہے۔ ایک گھنٹے بعد جب اس سے جڑے سارے لوگوں کو پتہ چلے گا،ایک ایک کر کے وہ سب ہمارے جال میں آتے چلے جائیں گے۔ پھر یہاں بیٹھ کر ہم ان سے کھیلیں گے۔''

''میں رقم تہہ خانے میں پھینک آؤں، آؤ سب میری ہیلپ کرو۔'' سلمان نے کہا تو وہ سب باہر چلے گئے۔ میں زیر لب مسکرا دیا۔ان کی سوچ وہی تھی، جو میری تھی۔ روہی نے انہیں ہیرا بنا دیا تھا۔

☆......☆......☆

جسپال سنگھ، جالندھر کے اسی بائی پاس پر موجود، اسی موٹیل کے سامنے کھڑا تھا، جہاں وہ اور ہرپریت ایک رات گذار چکے۔اس نے محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور اس موٹیل کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تو سامنے ہرپریت کو بیٹھی ہوئی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہلکے سبز رنگ کا کڑھائی والا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ کس کر باندھی ہوئی چوٹی، ہلکا ہلکا میک اپ، پیروں میں اسی رنگ کا کھسہ پہنے وہ بیتابی سے اس کی راہ تک رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی ہرپریت کے چہرے پر خوشی کے دیئے روشن ہو گئے۔ وہ وہاں پر کسی کی بھی پروا نہ کرتے ہوئی اٹھی اور والہانہ انداز میں اس کے گلے لگ گئی۔اس کا بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ جسپال نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے پوچھا

''پھوپھو کیسی ہے، انوجیت کیسا ہے؟''

''دونوں ہی ٹھیک ہیں اور تجھے بڑا یاد کرتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بیٹھ گئی تو وہ بھی اس کے سامنے والی میز پر بیٹھ گیا۔ تبھی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی ''تیری سب سے بری عادت یہ ہے کہ تم اپنے بارے میں نہیں بتاتے ہو کہ تم کہاں ہو، کیسے ہو،کوئی رابطہ نہیں ہوتا،کوئی پتہ نہیں ہوتا تمہارا۔'' اس پر جسپال بالکل خاموش رہا اور مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ ہرپریت چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر غصے میں بولی ''میری بات کا جواب دو، میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے، کیا میں بک بک کر رہی ہوں، ایسے کیا دیکھ رہے ہو میری طرف؟''

''میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم ابھی سے بیوی بن گئی ہو۔ یار ... جب تک لاواں (شادی) نہیں لگتیں، تم از کم دوست بن کر تو رہو۔''

''بہت دوست ہیں تیری، میں جانتی ہوں، ابھی جو تجھے چھوڑ کر گئی ہے، کون تھی وہ؟'' اس نے غصے بھرے لہجے میں تیزی سے پوچھا

''تم دیکھ رہی تھی؟'' اس نے حیرت سے پوچھا

''میں تو دو گھنٹے سے اس سڑک پر نظریں جمائے ہوئے ہوں۔'' ہرپریت نے تیزی سے کہا تو جسپال کو اس پر بڑا پیار آیا۔

''رونیت کور تھی وہ، تمہیں بھی اس سے دوستی کرنا ہوگی، تجھے اس سے ملاؤں گا۔ بڑے کام کی چیز ہے، ہیرا ہے وہ ہیرا۔'' جسپال نے کہا تو ہرپریت منہ بسورتے ہوئے بولی

''وہ واقعی ہی ایسی چیز ہے یا مجھے چڑا رہے ہو۔''

''وہ ایسی ہے، جب تم ملوگی تو مان جاؤ گی۔''

''یہ جو یہاں جالندھر میں تین چار جگہوں کا انتظام کیا تمہیں نے، کیا یہ انہیں لوگوں کے لئے تھا؟ کیا یہ وہی لوگ ہیں، جنہوں نے وہاں ......'' وہ کہتے کہتے رُک گئی

''بالکل، انہی لوگوں نے ٹھہرنا ہے وہاں۔ اپنے لوگ ہیں۔ خیر۔! کچھ کھلاؤ پلاؤ گی یا بھوکے ہی رکھو گی۔'' جسپال نے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے ویٹر کو اشارہ کر دیا۔ وہ کھاتے اور ڈھیر ساری باتیں کرنے کے بعد وہاں سے اٹھے اور اوگی پنڈ کی طرف چل پڑے۔ ہرپریت کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ جیسے ہی وہ ہائی پاس سے اوگی پنڈ کی جانب بڑھے، جسپال نے گہری سنجیدگی سے پوچھا

''ہرپریت۔! کیا اب بھی تمہارا خالصہ جتھے کے ساتھ رابطہ ہے؟''

''ہاں ہے، ان سے رابطہ کیسے ٹوٹ سکتا ہے۔ پر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' اس نے حیرت سے پوچھا

''میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ کسی ایسے بندے سے جو ذمے دار ہو، اور کسی بھی قسم کا فیصلہ کر سکتا ہو۔'' جسپال نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

''جسپال سچ پوچھو نا، وہ تم سے خود ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں تمہارے بارے میں صاف بتا دیا ہوا ہے۔ وہ سب کچھ جو میں جانتی ہوں۔ مجھے نہیں پتہ تم ان سے کیوں ملنا چاہتے ہو، مگر میرا دل کہتا ہے کہ تمہارے ملنے سے ان کی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔'' ہرپریت کے لہجے میں کافی حد تک جوش تھا۔

''ہرپریت۔! میں اب ایک طویل عرصے تک ادھر رہنا چاہتا ہوں۔ صرف دھرم کی سیوا کے لئے۔ مجھے نہیں معلوم میں نے کب پورا (مرنا) ہو جانا ہے۔ ایک سنگھ کی شان یہی ہے کہ وہ دھرم کی خاطر لڑتا رہے۔'' جسپال نے دور کہیں خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا

''اور میرے ساتھ شادی؟'' ہرپریت نے کہا

''تم جانتی ہو کہ ایک کے ساتھ ہی ہو سکتی ہو، شادی کر لوں یا سیوا کر لوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو ہرپریت اس کی بات سمجھتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس دی۔

اوگی پنڈ پہنچتے ہوئے انہیں سہ پہر ہوگئی۔ کلجیت کور ان کی راہ تک رہی تھی۔ انوجیت بھی گھر پر تھا۔ بنتا سنگھ اور جوتی بھی تھی۔ شام تک وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا انہی سے گپ شپ کرتا رہا۔ شام ڈھل چکی تو کلجیت کور نے جوتی کو ڈانٹتے ہوئے کہا

''اے جوتی۔! کچھ عقل کر، یہاں بیٹھی ہے، کچھ کھانے کو بنا۔''

''بے بے، جوتی کو میں نے روکا ہے۔ ہم کھانا باہر کھائیں گے، ہمارے ساتھ انوجیت ویر بھی جائے گا۔'' ہرپریت نے کہا تو میں نے اس کی طرف دیکھا۔ بلاشبہ اس نے رابطہ کر کے طے کر لیا تھا۔

''چل، پھر ٹھیک ہے، کر تو اپنے جسپال ویر سے باتیں۔ میں تو چلی۔'' کلجیت کور اٹھ کر اندر چلی گئی۔ تب جسپال نے جیب سے کافی سارے نوٹ نکال کر آدھے آدھے کئے۔ ایک ہاتھ سے بنتا سنگھ کو اور دوسرے ہاتھ سے جوتی کو دیتے ہوئے بولا

''میں تم دونوں کے لئے کوئی شے نہیں لا سکا۔ تم اپنی پسند سے لے آنا۔''

''جسپال ویرے مجھے تو کچھ نہیں چاہئے، میری ہر ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔'' جوتی نے جلدی سے کہا

''اُو، رکھ لو، پکڑو۔''

دونوں نے وہ نوٹ لے لئے اور خوشی خوشی وہاں سے چلے گئے۔ جسپال کافی دیر تک مسرور و ہیں بیٹھا رہا۔ چھوٹی چھوٹی خوشیاں بندے کو کتنا سرور دیتی ہیں۔

رات کا پہلا پہر شروع ہو چکا تھا۔ جسپال فریش ہو کر کار میں آ بیٹھا۔ اس کے ساتھ پہلو میں ہرپریت تھی۔ انوجیت پہلے ہی نکل چکا تھا۔ ان کا رخ رسول پورکلاں کی جانب تھا۔ تمام راستے ہرپریت کورخاموش رہی۔ جیسے ہی وہ رسول پورکلاں کے قریب پہنچے، تب اس کے لب وا ہوئے۔

''وہاں سردار ویر سنگھ ہے۔ اس وقت خالصہ جتھہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہی وہ بندہ ہے جو بہت عرصے سے تمہارے ساتھ ملنا چاہتا ہے۔ بہت ٹھنڈا اور تنظیمی بندہ ہے۔ بہت سیوا کی ہے اس نے دھرم کی۔''

''چل دیکھتے ہیں۔'' جسپال نے دھیرے سے کہا اور سامنے سڑک پر دیکھنے لگا۔

گاؤں میں وہ سب سے بڑی پیلے رنگ کی حویلی تھی۔ حویلی کے سامنے کافی ساری زمین خالی تھی۔ وہاں ایک طرف کافی سارے لوگ چار پائیاں ڈال کر بیٹھے ہوئے گپ شپ کر رہے تھے۔ عام آدمی کے لئے وہ گپ شپ تھی لیکن جسپال سمجھ گیا تھا کہ وہ سب سیکورٹی کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے دیکھنے کا انداز ہی ایسا تھا۔ انہوں کار پورچ میں لے جا کر روکی تو سردار ویر سنگھ بڑے دروازے سے باہر آ گیا۔ وہ ادھیڑ عمر لمبے قد اور بھاری جثے والا گرانڈیل شخص تھا۔ اس نے گہرے نیلے رنگ کی شلوار قمیص اور زعفرانی پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ اسے اطلاع مل چکی تھی کہ مہمان آ گئے ہیں۔

''ست سری اکال سرادر جسپال سنگھ جی، جی آیاں نوں۔'' اس نے دونوں بازو پھیلا کر اس کا استقبال کیا اور پھر اسے گلے لگا لیا۔

''ست سری اکال سردار ویر سنگھ جی۔ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' جسپال نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

''آؤ، تشریف لے آؤ۔'' ویر سنگھ نے کہا اور پھر ہرپریت کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے دعائیں دینے لگا۔ وہ تینوں آگے پیچھے ڈرائنگ روم میں جا پہنچے۔ وہاں دو نوجوان مزید بیٹھے ہوئے تھے۔ ویر سنگھ نے بیٹھتے ہی ان کا تعارف کرایا۔

''یہ دونوں، میرے سگے بیٹے تو نہیں، لیکن انہوں بیٹوں سے بڑھ کر سیوا کی ہے۔ سردار جوگندر سنگھ اور سردار سریندر سنگھ۔ یہ دونوں خالصہ جتھہ کے سرخیل ہیں۔'' اس نے کہا تو دونوں نے ہاتھ جوڑ کر اسے فتح بلائی۔ تب وہ گہری سنجیدگی سے بولا

''سردار جی۔ اہر پریت نے مجھے پہلے بھی کہا تھا کہ میں آپ سے مل لوں۔ لیکن میں ایسے ہی نہیں ملنا چاہتا تھا۔ اور سچ پوچھیں تو میرا یہاں رہنے کا ارادہ ہی نہیں تھا۔ میں نے جن سے انتقام لینا تھا، وہ لے لیا، اپنی زمین جائیداد واپس لے لی۔ جس کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ اس سے زیادہ میرے پاس کینیڈا میں ہے۔ مطلب مجھے کوئی معاشی پرابلم نہیں ہے۔ لیکن اب میں یہاں رہنا چاہتا ہوں، اپنے دھرم کی سیوا کرنا چاہتا ہوں۔ جیسی بھی ہو سکے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''پتر۔ اجو تیرے ساتھ بیتی ہے نا، یہاں کے ہر گھر کے ساتھ وہی بیتی ہے۔ کسی کا باپ، کسی بیٹا، بھائی، بہن، زندہ جلائے گئے ہیں۔ اتنی بڑی قربانی دینے کے بعد بھی یہ ملک اب ہمارے لئے اجنبی ہے۔ اب ہر سکھ یہ سوچ رہا ہے کہ ہم سنتالیس میں آزاد ہو گئے تھے۔ لیکن ایسا نہیں چوراسی میں ہمیں یہ پوری طرح جتا دیا کہ ہم اس ملک میں غلام ہیں۔ پہلے انگریزوں کے اب ہندوؤں کے ہیں۔ اب یہ نئی بات نہیں ہے۔ یہ رونا تو اب تک چلتا آیا ہے۔ لیکن خوف ناک بات سکھ پنتھ کے لئے یہ ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کو کیا دے کر جا رہے ہیں؟ غلامی کا خوف ناک احساس؟ شرمناک احساس؟'' سردار ویر سنگھ نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا

''یہ کہانیاں میں نے بہت سن لیں، اب آگے کی دیکھیں، کیا کرنا ہے ہمیں؟ کیا کرنا ہو گا ہمیں؟'' جسپال نے متانت سے پوچھا

''خالصتان، یہی ہماری منزل ہے، اپنی زندگی میں حاصل نہیں کر پائے تو کم از کم اپنی نسلوں کو یہ جدو جہد تو دے کر جا سکتے ہیں۔ کسی کامیابی کی کوئی بنیاد تو ہو جس پر ہماری نسلیں فخر کر سکیں۔'' سردار ویر سنگھ نے جوش بھرے لہجے میں کہا تو جوگندر سنگھ بولا

''ہمارے بندے ٹاڈا کے تحت اندر ہیں، کوئی کہیں پر قتل ہو جا ہے، سب سے پہلے ہمارے بندوں سے تفتیش شروع ہوتی ہے۔ کوئی واردات بھی ہو۔''

''دنیا بہت آگے نکل گئی ہے سردار جی، اب جنگ صرف گولی چلانے سے نہیں جیتی جا سکتی۔ لوگوں کو ذہنی طور پر تیار کرنا ہو گا۔ اس کے لئے بڑے میدان ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ طاقت کے بنا کچھ نہیں ہو سکتا مگر جتنے بھی محاذ ہیں ان پر ہمیں لڑنا ہو گا۔ وہ میدان چاہے میڈیا کا ہے، تعلیم کا، لوگوں کو شعور دینے کا ہے۔ انہیں یہ بتانا ہو گا کہ آزادی ان کا حق ہے۔'' جسپال نے گہری سنجیدگی سے کہا تو سردار ویر سنگھ بولا

''میری تو عمر گذر گئی پتر، اب جو کرنا ہے تمہی لوگوں نے کرنا ہے۔ جو تم لوگوں کی عقل سمجھ میں آئے۔''

''تو پھر آپ مجھ پر یقین رکھیں، باقی واہگرو جانے کیا ہونا ہے۔'' جسپال نے حتمی لہجے میں کہا

''میں چاہتا ہوں، جتھے کو نیا خون ملے، ڈر اور خوف سے نکل کر اپنی بات منوانے کی جرات پیدا ہو۔'' ویر سنگھ نے کہا تو جسپال نے مسکراتے ہوئے پوچھا

''اس وقت جتھے کے معاملات کون دیکھ رہا ہے؟''

''یہ جوگندر سنگھ۔'' ویر سنگھ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے یہ سرداری رہے اسی کے پاس، لیکن اس کا کام کئے گئے فیصلوں پر عمل درآمد کروانا ہے۔ یہ فیصلہ کون کریں گے، آپ بہتر سمجھتے

ہیں۔''جسپال نے کہا

''میں تیری بات سمجھ گیا ہوں۔ایسے ہی ہوگا۔''ویر سنگھ نے جوش سے کہا

''بس تو پھر آپ کل ہی سے دھرم سیوا کے لئے اٹھیں۔اپنے علاقے میں جتنے بھی گوردوارے آتے ہیں،ان پر جا کر ماتھا ٹیکیں،ان کے مسائل معلوم کریں۔باقی کام ہمارا ہے۔کیوں جوگندر سنگھ۔''جسپال نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا

''جیسے کہو بائی جی،میں حاضر ہوں۔''وہ مسکراتے ہوئے بولا

''آؤ،پرشادے شکھیں۔''ویر سنگھ نے کہا اور اٹھ گیا۔جسپال نے اپنی سوچ کے مطابق عمل شروع کر دیا تھا۔

رات گئے جب وہ ایک ساتھ واپس آئے تو ڈرائینگ روم میں انوجیت کا پہلا سوال ہی یہی تھا

''اب کیا کرنا ہوگا؟''

''مجھے جتھے کے ساتھ منسلک دو چار نوجوان لا دو،سمجھدار ہوں،دلیر ہوں اور کسی ایک کالج یا یونیورسٹی میں پڑھتے ہوں۔پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔''جسپال نے جواب دیا تو انوجیت نے کہا

''میں کل ہی ایسی نوجوان تلاش کر لوں گا۔میں اب چلتا ہوں۔صبح مجھے جالندھر جانا ہوگا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

جسپال اپنے کمرے میں جا کر ایزی ہوا اور ابھی اس نے بیڈ پر بیٹھ کر اپنا لیپ ٹاپ کھولا ہی تھا کہ ہرپریت چھوٹے سے ٹرے میں چائے کے دو مگ رکھے آ گئی۔اس نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا

''جسی۔!آخر تم ان نوجوانوں کا کرنا کیا چاہتے ہو؟''

اس پر جسپال نے اس کا ہاتھ پکڑا اور زور سے اپنی طرف کھینچا،وہ سیدھی اس کے اوپر آ گری۔اس نے اپنی ناک ہرپریت کی ناک سے رگڑتے ہوئے کہا

''ہر وقت ایسی باتیں ٹھیک نہیں ہوتی ہیں پریتو۔اب ہم ہیں اور اب ہماری ہی باتیں ہوں گئیں۔''یہ کہہ کر اس نے لیپ ٹاپ ایک طرف رکھا اور اس کے سامنے ہو کر بیٹھ گیا۔وہ دونوں چائے پینے لگے۔وہ اسے سمجھانے لگا کہ کل اس نے کیا کرنا ہے۔

اگلے دن کا سورج ابھی نہیں نکلا تھا۔جسپال نے گاڑی نکالی تو ہرپریت بھی اس کے ساتھ آ بیٹھی۔وہ جالندھر کی جانب چل دیئے۔جسپال کا سندو سے رابطہ تھا۔وہ اور اس کے ساتھی مختلف جگہوں پر ٹھہرے ہوئے تھے۔آدھے گھنٹے بعد وہ ان کے پاس پہنچ گیا۔سندو پوری طرح تیار بیٹھا تھا۔اسے دیکھتے ہی بولا

''یار۔!میں تیرے کہنے پر یہاں آ تو گیا ہوں،اور میں سمجھتا ہوں کہ یہاں رہنے سے میں بہت جلد حالات پر قابو پا لوں گا۔لیکن یہاں فوری طور پر پیسہ......''سندو نے کہا تو جسپال نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''پیسہ بہت ہے، آج ہی تمہیں بہت زیادہ رقم مل جائے گی، اس کی فکر چھوڑ، یہ بتا پروفیسر کے قاتلوں کا کچھ پتہ چلا؟''

''میں نے چندی گڑھ میں موجود اپنے سارے ذرائع اس کام پر لگا دیئے ہیں۔ جیسے ہی پتہ چلے گا، اس کے مطابق پلان کرلیں گے۔''

سندو نے کافی حد تک بے بسی سے کہا تو جسپال سوچ میں پڑ گیا۔

''سندو، کہیں تو حوصلہ تو نہیں چھوڑ گیا۔ وہ جس طرح کہتے ہیں کہ ہاتھی اپنے استھان پر ہی بھلا لگتا ہے؟ چندی گڑھ چھوڑ کے تم خود کو کمزور تو نہیں سمجھ رہے ہو؟'' جسپال نے پوچھا تو وہ تیزی سے بولا

''ایسا نہیں ہے یار، اُدھر کالے سفید سارے دھندے تھے، مال بھی تھا اور طاقت بھی۔ یہاں تو ماحول سمجھوں گا تو معاملہ چلے گا نا، تھوڑا وقت لگے گا۔''

''چل اٹھ، تجھے ماحول سمجھاؤں۔'' جسپال نے کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا

''وہ رونیت کو تو بتا دو۔''

رونیت کور اور پروفیسر کی بیوی اوپری منزل پر تھیں۔ جسپال نے ہرپریت کی طرف دیکھا اور ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اوپر چلی گئی تو یہ باہر نکل آئے۔ وہ ابھی کار میں بیٹھے نہیں تھے کہ رونیت کور کی کال آ گئی۔

''یہ رونیت کی کال...'' یہ کہتے ہوئے اس نے فون کان سے لگایا۔ اودھر سے چند لفظوں ہی میں بات ہوئی تھی کہ سندو کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا،'' جسپال، پروفیسر کے قاتلوں کا پتہ چل گیا ہے، چل جلدی رونیت کے پاس۔''

وہ دونوں تیزی سے اندر جا کر اوپری منزل پر گئے۔ رونیت کور اپنے لیپ ٹاپ پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کے پاس ہی گرلین کور اور ہرپریت کور تھیں۔ ان کے آتے ہی رونیت نے بتایا

''انہیں کسی انڈرورلڈ کے بندے یا کرائم پیشہ نے قتل نہیں کیا بلکہ قتل ''را'' کے اُن ایجنٹوں نے کیا ہے، جو باقاعدہ ملازم نہیں ہیں، مگر ان کے لئے کام کرتے ہیں۔''

''کون ہیں اور وہ کہاں رہتے ہیں؟'' سندو نے تیزی سے پوچھا

''یہ دیکھو، یہ میری ایک صحافی دوست کی ای میل ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا لیپ ٹاپ اسکرین کی طرف اشارہ کیا،'' وہ کل سے میرے رابطے میں ہے۔ رات اس نے ڈانس کلب میں کچھ لوگوں کو دیکھا جو بہت زیادہ شراب پی رہے تھے اور بہت زیادہ مستی کر رہے تھے۔ ان کا جھگڑا وہاں کی سیکورٹی سے ہو گیا۔ سیکورٹی والے انہیں باہر نکالنا چاہتے تھے اور یہ نکلنا نہیں چاہتے تھے۔ اس پر سیکورٹی والوں نے انہیں خوب مارا پیٹا۔ کلب والوں نے پولیس کو بلوایا تا کہ انہیں پولیس کے حوالے کر دیا جائے لیکن پولیس کے آنے سے پہلے ہی سادہ لباس میں دو لوگ آئے انہوں نے ان شرابیوں کو لے جانا چاہا۔ انتظامیہ نہیں مانی۔ وہ انہیں پولیس ہی کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ پولیس آئی تو انتظامیہ وہ دونوں شرابی ان کے حوالے کر دیئے۔'' اتنا کہہ کر وہ سانس لینے کو رکی تو سندو نے بے صبری سے پوچھا

''لیکن اس سے پروفیسر کے قاتلوں ... ''

''بتا رہی ہوں نا۔'' رونیت نے کہا

''اوکے اوکے'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا

''اس سارے ہنگامے کے دوران میری صحافی دوست کو یہ معمول سے ہٹ کر لگا۔ اس نے تصویریں لے لیں اور اپنے دوست صحافی کو بتا دیا کہ کلب میں کیا گڑ بڑ ہوئی ہے۔ انہوں نے پولیس آفیسر سے بات کی۔ پولیس آفیسر نے صاف مکر گیا کہ گرفتاری کا ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ کلب میں دو شرابی اودھم مچا رہے تھے انہیں وہیں ڈانٹ ڈپٹ کر ان کے گھر والوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ وہ ابھی وہیں تھانے میں تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ وہ دونوں شرابی پار ہو چکے ہیں۔ ان کی لاشیں سڑک پر پڑی ہیں۔ اس وقت پولیس آفیسر دیکھنے لائق تھا۔ اس نے فوری ردعمل میں فون کیا اور نجانے کسے کہا کہ پہلے ایک بڈھے کا قتل رفع دفع کیا۔ اب انہیں کس کھاتے میں ڈالوں۔ میرے پاس پریس بیٹھا ہوا ہے انہیں کیا جواب دوں۔ یہ دو تین فقرے ہی سارا پول کھول رہے تھے۔ صحافی ان کے سر ہو گئی کہ اگر وہ دو شرابی انکے گھر والے لے گئے تھے تو کیا انہوں نے یہ قتل کر دیئے؟ رات سے یہ معاملہ چل رہا ہے۔ لاشیں پوسٹ مارٹم کے بعد سرد خانے میں ہیں۔ ابھی صبح میری سہیلی کو اس کے دوست نے بتایا تو اس نے مجھے یہ تفصیل ای میل کر دی ہے۔ اور ان دو سادہ لباس فوجیوں کی تصویریں بھی ہیں، یہ دیکھو۔'' یہ کہہ کر اس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر ان دونوں فوجیوں کی تصویریں دکھائی جو سادہ لباس میں تھے۔

''ان فوجیوں کا سراغ لگانا ہوگا۔'' سندو نے زیر لب کہا تو رونیت بولی

''ابھی کچھ دیر میں پتہ چل جائے گا۔''

''وہ کیسے؟'' سندو نے پوچھا

''اسی پولیس سے پتہ چلے گا اور میرے دوسرے ذرائع بھی تو ہیں۔ آؤ اتنی دیر میں ناشتہ کرتے ہیں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی

''جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔'' ہرپریت کور نے ستائش بھری نگاہوں سے رونیت کو دیکھتے ہوئے کہا تو جسپال ہنس دیا پھر بولا

''ابھی تو مزید کھلے گی۔''

''یہ کیا جسپال، تعارف تو کراؤ۔'' وہ قدرے حیرت سے بولی

''یہی ہے وہ میرا حوصلہ، میری محبت اور میرا جنون۔'' جسپال نے ہرپریت کی طرف محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو ہرپریت سرشار ہو گئی۔

''واؤ۔ ! بھابی ..... '' گرلین کور نے کہا اور ہرپریت کے گلے لگ گئی۔ رونیت کور بھی اس کے گلے لگی۔

''یہ جذباتی سین پھر دکھانا، آؤ ناشتہ کر لو۔'' سندو نے کہا تو سب باہر والے کمرے میں چلے گئے۔

سندو ناشتہ نہیں کر سکا۔ وہ چھت پر چلا گیا۔ اس نے چندی گڑھ میں اپنوں سے رابطہ کرنا شروع کر دیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ سب ایک کمرے میں جمع تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ دو فوجی کون ہیں؟ وہ کہاں رہتے ہیں اور ان کا تعلق کس

ادارے سے ہے؟ یہ تصدیق ہو جانے کے بعد سندو نے پوچھا

''بول جسپال اب کیا کرنا ہے؟''

''مجھے اسی وقت شک ہو گیا تھا کہ یہ کام ''را'' کا ہے۔ اصل میں انہوں نے ہمیں یہ پیغام دیا ہے کہ وہ جب چاہیں ہمیں مسل کر رکھ دیں۔ میں نے آتے ہوئے پروفیسر کو کہا بھی تھا کہ وہ محتاط رہے۔ پروفیسر کا قتل ہرنیک سنگھ کے ردعمل میں تھا۔ اور سندو یہ جان لو کہ ممبئی میں تمہیں دیکھا گیا ہو گا۔ کیونکہ گربان نے سب کچھ بتایا ہے تو ان کی توجہ اس طرف ہوئی۔''

''مجھے لگتا ہے، جسپال کا یہاں آنے کا فیصلہ بالکل درست ہے۔ کیونکہ اگر ہم بھی وہیں رہتے تو ہم میں سے کوئی زندہ نہیں بچتا۔'' رونیت کور نے سوچتے ہوئے کہا

''اب کیا کرنا ہے؟'' اس نے اُلجھتے ہوئے پوچھا

''وہی کچھ جو انہوں نے کیا، انہیں واپس لوٹا دیں گے۔ کتنے لوگ لگائے ہیں اور اب تک کی اپ ڈیٹ کیا ہے؟'' جسپال نے پوچھا

''دو لوگ پوری طرح ان کے پیچھے ہیں۔ باقی چار لوگ بھی ان کے آس پاس ہیں۔'' سندو نے کہا

''انہیں فوراً ہٹا لو، وہ گھیرے میں آ جائیں گے۔ وہ بندے بھی گنوا لو گے، میں بتاتا ہوں کیا کرنا ہے۔'' جسپال نے تشویش سے کہا پھر رونیت کی طرف دیکھ کر پوچھا ''ان کا آفیسر کون ہے؟ مطلب اس کا رابطہ نمبر کچھ معلوم ہوا؟''

''یہ دونوں ایک ہی بندے کو کال کرتے ہیں۔ اور لگتا ہے کہ وہ اس وقت اپنے گھر میں۔ کافی دیر سے اس کا فون ایک ہی جگہ پر پڑا ہے ،حرکت نہیں کر رہا ہے۔''

''میں سمجھ گیا کہ کیا کرنا ہے۔'' سندو نے کہا اور اپنے بندوں کے ساتھ رابطہ کرنے لگا۔ ایک دم سے ماحول سخت ہو گیا تھا۔ تبھی جسپال کو خیال آیا، وہ فوراً سندو کے پاس چلا گیا۔

''اپنے لوگوں کو ہٹانے کے بعد انہیں کہو فون ضائع کر دیں۔ کسی صورت میں بھی فون نہ رکھے جائیں، ورنہ ہم یہاں پکڑے جائیں گے۔ بلکہ اس کے بعد وہ شہر ہی چھوڑ دیں۔''

بات سندو کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے سب کو ہدایات دیں اور پھر بتایا۔

''اس آفیسر پر دو بندے لگا دیئے ہیں۔ آدھے گھنٹے میں خبر آ جائے گی کہ کیا ہوتا ہے۔''

انہوں نے وہ آدھا گھنٹہ بہت مشکل سے گزارا۔ ان دو فوجیوں پر جو بندے تھے وہ ہٹ گئے تھے، ٹیلی فون بوتھ سے انہوں نے اشارے میں بات کی تھی اور وہ شہر سے نکل گئے تھے۔ ان کے پکڑے جانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔

اسی دوران ٹی وی پر خبر نشر ہونے لگی کہ محکمہ داخلہ کے ایک اہم آفیسر کو اس کے چار بندوں کے ساتھ اڑا دیا گیا۔ حملہ آوروں نے اس وقت راکٹ لانچر سے فائر کر دیا تھا جب وہ اپنی سرکاری جیپ میں گھر سے نکلا تھا۔ اس دہشت گردی کے حملہ میں دہشت گرد پکڑے نہیں گئے۔ تاہم صورت

پوری کوشش میں مصروف ہیں کہ وہ پکڑے جائیں۔ شہر بھر میں نا کہ بندی کردی ہے۔

''لو جی اپنے پروفیسر صاحب کا بدلہ لے لیا ہے۔'' سندو نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو اس کی بیوی بولی

''انہوں نے دھرم کی سیوا کا کہا تھا، یوں دہشت گردی کرنے کو نہیں کہا تھا۔''

''ماں جی، دھرم کی سیوا آزادی سے ہوتی ہے۔ ہم میں سے جو بھی چندی گڑھ جائے گا، یا انہیں یہاں کی بھنک مل گئی تو انہوں نے ہمیں مارنے کو کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دینا۔'' سندو نے کہا

''بیٹا۔! وہ ''را'' ہے۔ اس کے پیچھے حکومت اور فوج ہے۔ کب تک؟'' اس نے کہا

''جب تک واہ گرو چاہے گا۔'' سندو نے بڑے حوصلے سے کہا۔ بہت دنوں بعد اس کے چہرے پر سرخی آئی تھی۔ وہ خوش دکھائی دے رہا تھا۔ تبھی جسپال نے اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا وہ اسے لمبی رقم دینا چاہتا تھا۔

سندو اور ابھیت ایک گاڑی میں، جبکہ ہرپریت کور اور رونیت کور جسپال دوسری گاڑی میں آ بیٹھے۔ وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے جالندھر شہر کے اس مصروف بازار میں آ گئے جہاں کی جلیبیاں پورے علاقے میں مشہور تھیں۔ وہ سبھی اکھٹے ہو کر دوکان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

''یار یہ تو سنا تھا کہ پنجاب کے میلے ٹھیلوں میں جٹ جلیبیاں کھایا کرتے تھے، یوں اس طرح تازہ جلیبیاں کھائیں گے تو کیسا لگے گا۔'' سندو نے کہا تو اس پر باتیں کرنے لگے جبکہ جسپال کی پوری توجہ بازار کے دونوں اطراف میں تھی۔ اچانک اسے دائیں طرف سے دو سکوٹر سوار دکھائی دیئے۔ پیچھے بیٹھے ہوئے لڑکے کے پاس ایک بڑا سا رانگتے کا کارٹن تھا۔ وہ دونوں کار کے پاس آ کر یوں رکے جیسے لڑکھڑا گئے ہوں۔ جب وہ سیدھے ہو کر چلے تو وہ کارٹن وہیں دو گاڑیوں کے درمیان چھوڑ کر آگے بڑھ گئے تھے۔ جسپال نے دھیمی آواز میں کہا

''ابھیت۔! جاؤ کارٹن سنبھالو۔''

یہ سنتے ہی وہ سکون سے آگے بڑھا، کار کی ڈگی کھولی اور کارٹن اس میں رکھ دیا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑے رہے۔ پھر ابھیت کے ساتھ سندو جا بیٹھا۔

''رونیت آ تجھے اپنا گاؤں دکھاؤں، کل چھوڑ دوں گی یہاں۔'' ہرپریت نے کہا تو وہ فوراً مان گئی۔

سندو اور ابھیت چلے گئے تو یہ تینوں بھی بازار سے نکلے۔ ہرپریت کی خواہش تھی کہ وہ تھوڑی شاپنگ کرلے، اسی لئے گاڑی کا رخ مین مارکیٹ کی طرف کر دیا۔

وہ کافی دیر تک شاپنگ کرتے رہے۔ وہ سٹور سے باہر نکلے تو ان کی گاڑی کے پاس کچھ لوگ کھڑے دیکھ کر ہرپریت نے جسپال سے کہا

''جسپال۔! وہ دیکھو، لگتا ہے کوئی گڑبڑ ہے۔''

''اب یہاں تو کھڑے نہیں رہ سکتے، چل دیکھتے ہیں۔'' اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ جسپال انہیں نظر انداز کرتا ہوا اپنی کار کے پاس گیا اور چابی سے دروازہ کھولنے لگا۔ تبھی مختلف عمر کے آٹھ دس لڑکے اس کی طرف بڑھے۔ وہ سارے اس کے اردگرد کھڑے ہو گئے تو ان میں سے ایک نے پوچھا۔

''جسپال سنگھ تیرا نام ہے اور تو اوگی میں رہتا ہے جو کینیڈا سے آیا ہے۔''

''میں جسپال سنگھ بھی ہوں اور اوگی میں بھی رہتا ہوں۔ میں ہی کینیڈا سے آیا، مگر لگتا ہے تم لوگوں کو کسی نے تمیز نہیں سکھائی بات کرنے کی۔'' اس نے دبے دبے غصے میں کہا تو وہی طنزیہ انداز میں بولا۔

''وہی تمیز ہی تو سکھانے آئے ہیں تمہیں۔''

''اوئے سیدھی بات کر اس سے، اگر مانتا ہے تو ٹھیک ورنہ اسے یہیں.....'' ایک دوسرے لڑکے نے کہا۔

''چل تو ہی کہہ دے۔'' پہلے والے نے جسپال کو گھورتے ہوئے کہا۔

''سن اُو جسپال۔! تو نے یہاں رہنا ہے تو سکون سے رہ، سیاست میں منہ مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیرا ابھی ہم لوگوں سے پالا نہیں پڑا، بڑی کہانیاں سن لی ہیں تیری دلیری کی۔ اب اگر اوگی میں زندہ رہنا ہے تو اپنی اس معشوق سے شادی کر اور سکون سے رہ۔'' دوسرے نے حقارت بھرے لہجے میں اسے انگلی دکھاتے ہوئے کہا۔

''اور اگر میں تیری بات نہ مانوں تو؟'' جسپال نے غراتے ہوئے کہا تو رونیت کور نے شاپنگ بیگ کار میں پھینکے اس لڑکے کا بازو پکڑ لیا جس نے انگلی اٹھائی تھی۔

''اوئے، اگر تو نے اپنی ماں کا دودھ پیا ہے تو پہلے میرے اس تھپڑ کا جواب دے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے زنانے کا تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ ہرپریت بھی ماحول کو سمجھ چکی تھی۔ اس نے بھی بیگ پھینک دیئے۔ اس نے پہلے کے منہ پر تھپڑ مارا۔ وہ بھی ایک دم سے حیران ہوئے اور ان تینوں پر پل پڑے۔

انہیں یقیناً یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کن لوگوں سے بھڑ بیٹھے ہیں۔ جو بھی ان کے نزدیک جاتا اس کی چیخ بلند ہوتی۔ جسپال کو اپنا پسٹل نکالنے کا وقت نہیں مل رہا تھا۔ مارکیٹ میں ایک دم سے شور ہو گیا۔ ہرپریت اور رونیت کے لڑنے کا انداز ہی مختلف تھا۔ وہ تینوں ایک جُٹ ہو کر لڑ رہے تھے، تین یا چار منٹ میں کئی سارے زمین بوس ہو چکے تھے۔ ان لڑکوں کو جب سب کچھ الٹا پڑتا دکھائی دیا تو وہ ایک دم سے بھاگ نکلے۔ جسپال نے ان کے پیچھے بھاگ کر ان دو کو پکڑ لیا، جنہوں نے اس سے انتہائی بدتمیزی سے بات کی تھی۔ اس نے دونوں کو کالر سے پکڑا اور اپنی کار کے پاس لا کر سڑک پر دے مارا۔ پھر اپنا پسٹل نکال کے بولا

''بولو۔! کس نے بھیجا ہے تم لوگوں کو؟''

''سردار مان سنگھ باجوہ نے۔'' ایک نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا

''وہ کون ہے؟'' جسپال نے پوچھا تو ہرپریت نے تیزی سے کہا

''ہمارے دشمنوں کے خاندان ہی کا ہے، اس الیکشن میں ایم ایل اے کا امیدوار ہے۔''

''اُو۔!'' جسپال فوراً سمجھ گیا۔ یہ رات سردار ویر سنگھ سے ملاقات کا نتیجہ سامنے آ گیا تھا۔ اس نے سڑک پر پڑے دونوں لڑکوں کے ایک

ایک بازو پر اپنے پاؤں مارے تو ان کے بازو کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ ان کی تیز چیخ فضا میں بلند ہوئی تو جسپال نے کہا،'' بتا دینا اپنے اس باجوہ کو، میں تو کب سے کوئی نیا دشمن تلاش کر رہا ہوں۔''

اس نے کہا اور کار میں جا بیٹھا۔ وہ دونوں بھی اس کے ساتھ آ بیٹھیں تو اس نے کار بڑھا دی۔

☆......☆......☆

میری توقع کے مطابق مختلف ٹی وی چینلوں پر جو خبر چلی تھی، اس میں ڈکیتی کی واردات میں نامعلوم افراد ہی بتائے گئے تھے۔ پہلی عمارت میں گئے لوگوں کا کوئی ذکر نہیں تھا اور نہ ہی وہاں کے نظام کو جام کرنے کی کوئی بات کی گئی تھی۔ انہوں نے سارا زور اسی پر دیا تھا کہ دو سیکورٹی والے مارے گئے ہیں اور جو زخمی تھے ان کی تعداد بڑھ کے بتائی جا رہی تھی۔ ناشتے کی میز پر جنید نے بتایا کہ اس کمپنی کے مالک سیٹھ نیلا کے فون پر بہت زیادہ فون آئے تھے۔ ان میں ملکی بھی ہیں اور غیر ملکی بھی۔ کچھ دیر تک ان کی چھان بین ہو جائے گی۔

''تم لوگ کرنا کیا چاہتے ہو؟'' میں نے پوچھا

''یہ محض ایک واردات نہیں ہے، اور ہم کوئی ایک مقصد حاصل نہیں کرنا چاہتے ہیں، ابھی ہم چار سمتوں میں بڑھیں گے۔'' اکبر نے پوری سنجیدگی سے بتایا۔

''وہ کون کون سی ہیں؟''

''نمبر ایک، پولیس کا وہ طاقتور بندہ جو کھلے عام جوا کروا رہا ہے، اسے کسی نہ کسی طرح قانون کے شکنجے میں لانا ہے، تاکہ پولیس میں موجود وہ چہرے بے نقاب ہوں جو اس قسم کے دھندوں میں براہ راست ملوث ہیں اور انہیں بھی احساس ہو جائے کہ انہیں کسی کا خوف لاحق ہو سکتا ہے۔'' اکبر نے وضاحت کی۔

''یہ کیسے ہوگا؟'' میں نے پوچھا تو اس نے کہا

''ان کی مخالف قوت میں یقیناً لوگ موجود ہوں گے، وہ کہتے ہیں نا جب نظام ٹوٹتا ہے تو طاقت سر اٹھاتی ہے۔ ان کے مخالفین بھی تو کچھ نہ کچھ طاقت رکھتے ہوں گے۔ وہ لازماً حرکت میں آئیں گے۔''

''دوسرا یہ ہے کہ سیٹھ نیلا کو یہ باور کرایا جائے کہ یہ سب کچھ ان کے مخالفین نے کرایا ہے۔ ظاہر ہے اس سے ان کے درمیان ایک نئی قسم کی مخاصمت شروع ہو جائے گی۔ ممکن ہے اس سے وہ ایک دوسرے کے خلاف اپنی طاقت بھی استعمال کریں۔ اس سے حالات میں کشیدگی تو آئے گی لیکن اس سے ان کی طاقت کے علاقے اور طریقہ کار سمجھ میں آ جائے گا۔'' جنید نے بتایا

''یہ جو دھندہ کر رہے ہیں، یہ پاکستان کے خلاف جاتا ہے، ہنڈی کے ذریعے رقم باہر جاتی ہے۔ جس سے ملک کو نقصان تو ہو ہی رہا ہے، اس سے چند لوگ اپنی بلیک منی محفوظ کر رہے ہیں۔ یہ بلیک منی پاکستانی عوام کا استحصال ہے۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ وہ کیسے دھندہ کرتے ہیں، ان کا سارا ثبوت میرے پاس ہے، یہ سارے ثبوت چند ڈی وی ڈیز مختلف اداروں کو بھیج دی جائیں گی اور انہیں مجبور کیا جائے گا کہ ان کو پکڑا جائے۔'' زویا نے جوش بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ جولوٹی ہوئی دولت ہے یہ ہمارے نئے سیٹ اپ کے لئے کام آئے گی۔ ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔'' سلمان نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

میں چند لمحے سوچتا رہا۔ وہ سب ایک دم سے ہلچل مچا دینا چاہتے تھے۔ وہ مجھے ہی نہیں رونی کو بھی یہ بتانا چاہتے تھے کہ وہ کچھ کر سکتے ہیں۔

''ٹھیک ہے، یہ یاد رکھیں کہ ہم نے اپنا مستقل ٹھکانہ یہاں نہیں بنانا۔ میں آج یہاں سے نکل رہا ہوں۔ دو چار دن میں یہ سب ختم کر کے تم لوگ وہیں آ جانا جہاں میں تم لوگوں کو بلاؤں۔'' میں نے حتمی انداز میں کہا وہ سب کافی حد تک میرے اس فیصلے کو قبول نہیں کر پائے۔ میں نے یہ محسوس کرتے ہوئے ان سے پوچھ لیا، ''کیا میری تجویز پسند نہیں آئی؟''

''بات پسند اور ناپسند کی نہیں، اب تو ہمارا اور تمہارا ساتھ ایک ہے، یہ ہم الگ الگ کیسے؟'' گیت نے پوچھا

ہمیں صرف یہی نہیں کرنا ہے کہ دولت لوٹتے رہیں اور اس طرح کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے رہیں۔ ہمیں اپنے وطن کے لئے بہت کچھ کرنا ہے۔ اس کے لئے ہم کہیں بھی ایک جگہ مستقل نہیں رہ سکتے ہیں۔'' میں نے انہیں کہا

''یہ بھی ٹھیک ہے مگر ہر جگہ ہماری رسائی نہیں ہو سکتی، ہمیں اپنے نیٹ ورک کے لئے، زمینی حقائق جاننے کے لئے لوگ چاہئے ہوتے ہیں۔'' مہوش بولی تو ایک دم سے سلمان بول اٹھا

''او کے۔! تم جہاں بھی رہو، ہمارے رابطے ہی میں رہو گے۔ کہاں جانا ہے، میں بندوبست کر دوں۔''

''میں چلا جاؤں گا تم سب لوگ اپنے اپنے کام پر لگ جاؤ، میری فکر مت کرو۔'' میں نے کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

وہ کراچی کی ایک خوشگوار شام تھی جب میں کلفٹن کے اس گھر سے نکلا جو بن قاسم باغ کے پاس تھا۔ دن ختم ہونے کو تھا جب میں ائیر پورٹ پہنچ گیا۔ میرا وہاں سے نکلنا کرنل سرفراز کے ساتھ طے تھا۔ میرے فون کے جواب میں ایک شخص نمودار ہوا اور سیدھا میرے پاس آ گیا۔ وہ مجھے ٹکٹ دے کر پلٹ گیا۔ میں نے بورڈنگ کارڈ لیا اور لاؤنج میں آ بیٹھا۔

مجھے وہاں بیٹھے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ بالکل میرے سامنے والی نشست پر ایک لڑکی آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے سیاہ جینز کے ساتھ گرے ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ گلے میں لمبا سا سیاہ رنگ کا سکارف تھا۔ بوائے کٹ بالوں کے ساتھ اس کی غلافی آنکھیں مجھ پر مرکوز تھیں۔ مجھے یوں لگا جیسے میں نے اسے کہیں پہلے دیکھا ہے، کہاں دیکھا ہے، یہ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔ جبکہ وہ مسلسل میرے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔ اس لڑکی کے چہرے پر موجود شناسائی مجھے بے چین کر رہی تھی۔ ایک دم سے میرے اندر سنسنی پھیل گئی۔

☆ ☆ ☆

(امجد جاوید کا یہ دلچسپ اور طویل ناول ابھی جاری ہے، باقی واقعات اگلی قسط میں پڑھیے)